بورس پیسٹرنک 1890ء میں ماسکو میں پیدا ہوا۔ وہ روس کے ان چند عظیم شاعروں میں سے ہے جنہوں نے روسی ادب کی عظیم روایات کو برقرار رکھا ہے۔ پیسٹرنک کا نام مغربی دنیا کے لیے کوئی اجنبی نام نہیں۔ اس کی شاعری سے وہ سب لوگ واقف ہیں جو ادب کا رچا ہوا ذوق رکھنے کے ساتھ ساتھ غیر ملکی ادبیات کے مطالعہ کا شوق بھی رکھتے ہیں۔ اس کی شعریت، خیالات و احساسات میں دائمی اقدار کا پاس، شعری پیکر اور ارتکاز، موزوں ترین لفظوں کے ذریعہ جامع اظہار اس کی وہ خصوصیات ہیں جو اسے لورسا، رلکے، ایلیٹ اور ملارمے وغیرہ کے برابر لا کھڑا کرتی ہیں۔ اس کی یہ خصوصیات اس درجہ منفرد ہیں کہ اس پر طرح طرح کے الزام لگانے اور اس کی غیر سماجی، شاعری کے خلاف زہر اگلنے کے باوجود اس کا نام روسی شاعری کی تاریخ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسٹالن کے زمانے میں وہ بالکل الگ تھلگ رہا اور مغربی دنیا کے عظیم شعراء کے تراجم میں مصروف رہا۔ 32ء میں اس کا آخری مجموعہ کلام شائع ہوا اور اس کے بعد سے اسٹالن کی موت تک اس نے سوائے ترجمے کے اور کوئی چیز شائع نہیں کی۔ اسٹالن کے بعد جب اس نے یہ محسوس کیا کہ اب فضا نسبتاً زیادہ ساز گار ہے اور نئے خداوندان اقتدار اب فرد کی آزادی کا زیادہ احترام کرنے لگے ہیں تو اس نے اپنا ناول مکمل کیا لیکن جو انہی خصوصیات کی وجہ سے روس میں شائع نہ ہو سکا۔ مغربی دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے۔ اور اسے بہت پسند کیا گیا۔ اس ناول میں روس کے موجودہ نظام کی چالیس سالہ تاریخ کو اس ذہنی کشمکش کی روشنی میں دیکھا اور دکھایا گیا ہے جو ایک فرد نے آزادی کے ساتھ محسوس کی اور جیسے بے باکی سے لکھنا اس نے اپنا تخلیقی فرض سمجھا۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جس نے سویڈش اکیڈمی آف لٹریچر کو اس بات پر اکسایا کہ 58 کا نوبل پرائز اس دفعہ بورس پیسٹرنک کو دیا جائے۔ نوبل پرائز کو پہلے اس نے بڑی خوشی سے قبول کر لیا لیکن جب بعد میں اس پر لے دے ہوئی، اور اس کے اپنے ہم وطنوں نے اسے ملامت کا نشانہ بنایا تو اس نے اپنی مرضی سے، بغیر کسی دباؤ کے، نوبل پرائز واپس کر دیا۔ (سید علی احسن)

یہ مئی 1956ء کی بات ہے۔ میرا سوویٹ یونین کا دورہ ختم پر آ رہا تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے میں شام کو بورس پیسٹرنک سے ملنے اس کے دیہاتی مکان پر گیا جو ماسکو سے کوئی چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ مجھے متنبہ کر دیا گیا تھا کہ پیسٹرنک اکل کھرا اور آدم بیزار انسان ہے، لیکن اس نے بڑے اخلاق اور محبت سے میرا خیر مقدم کیا۔ باغ تک مجھے لینے آیا۔ بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور مجھے اپنے ساتھ مکان میں لے گیا۔ پیسٹرنک میں بوڑھے بچے کا وہ انداز موجود ہے جو شاعروں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کا لمبا چہرہ، بڑی ناک، متفکر منہ، گھنے گھنگریالے بال جو ایک رخ پر علیحدہ ہیں، کپڑے پہننے کا انداز جو روسیوں کے عام ڈھیلے ڈھالے اور بھدے انداز کے مقابلے میں زیادہ نفیس اور پاکیزہ ہے اور اس کے کپڑے یہ سب کے سب ایک حد تک یوروپین بلکہ اینگلوسیکسن نظر آتے ہیں۔ صرف اس کی سیاہ آنکھوں سے جن میں شدید حزینہ انداز موجود ہے اس کے باطن کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے انسان کی آنکھیں ہیں جو مشکل بلکہ تلخ آزمائشوں سے گزرا ہے اور جس نے اپنے ان تجربات کو اپنی آنکھوں میں سمو لیا ہے۔

ڈاکٹر ژواگو سات سو صفحات کی ایک مبسوط تصنیف ہے، جس میں ایک روسی ہیرو کی داستان صدی کے آغاز سے 1930ء یعنی اس کی موت تک بیان کی گئی ہے۔ تاریخ کا یہ دور تمیں ایسے فیصلہ کن برسوں پر مشتمل ہے جن میں روس نہایت اہم واقعات مثلاً 1905ء کا انقلاب پہلی جنگ عظیم، 1917ء کا انقلاب، خانہ جنگی، قحط، نئی معاشی پالیسی اور اشتراکی ڈکٹیٹر شپ کے استحکام سے دوچار ہوا۔ ڈاکٹر ژواگو اسی انداز کا تاریخی ناول ہے جیسا ٹالسٹائے کا ناول ''جنگ اور امن'' ہے۔ اس میں ہیرو کی زندگی ایک ذاتی معاملے کی طرح جس میں تھوڑی بہت تاریخی رنگ آمیزی بھی ہو بیان نہیں کی گئی، بلکہ یہ کردار اور تشکیل پانے والی تاریخ کے تضاد کا براہ راست اور مسلسل نتیجہ ہے۔ یقیناً ڈاکٹر ژواگو میں اولوالعزمی امیدیں، معاشقے، ذاتی لگاؤ سبھی کچھ موجود ہے لیکن جس انداز سے اس کی ذاتی زندگی ارتقا پذیر ہوئی اور اختتام کو پہنچتی ہے وہ اس کی تاریخی فضا سے براہ راست متاثر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی چیزیں جو ڈاکٹر ژواگو کو پیش آئیں وہ وہی عام چیزیں ہیں جو سارے روسیوں کو 1900ء سے 1930ء کے درمیان پیش آئیں۔

(البرٹو موراویا)

روسی ادب کا ایک شہرہ آفاق ناول

ڈاکٹر ژواگو Dr. Zwago

ایک آدم زاد کی داستان، وہ انقلابِ روس
کے چشم دید گواہوں میں سے تھا

بورس پیسٹرناک

پانچ بجے کی ایکسپریس

''دائمی سکون'' یہ نوحے پڑھتے ہوئے وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ گاتے جا رہے تھے۔ جب وہ نوحہ خوانی بند کر دیتے تب بھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کے قدم، ان کے گھوڑے اور ہواؤں کے جھکڑ نوحہ خوانی کر رہے ہیں۔ راہ گیر میت کو راستہ دینے کے لئے ادھر ادھر ہٹ جاتے، کفن پر پڑے ہوئے ہاروں کو گنتے اور ہوا میں صلیب کا نشان بنانے لگتے تھے۔ ان میں سے بعض محض استفسار کی غرض سے جلوس میں شامل ہو جاتے اور پوچھتے: ''کس کی میت ہے؟''

''ژواگو'' ان کو جواب ملتا۔۔۔۔

''اچھا! ٹھیک!! یہ بات ہے۔''

''یہ اس کی نہیں، اس کی بیوی کی میت ہے۔''

آخری لمحے ایک ایک کر کے گذرتے گئے، کبھی واپس نہ آنے والے لمحے۔ پادری نے صلیب کا نشان بناتے ہوئے میریا نکولائی وینا کی میت کو مٹی دی۔ انہوں نے ''پاک طینتوں کی روح'' کا نوحہ پڑھا۔ پھر ایک ہیبت ناک سی چرچراہٹ ہوئی۔ چوبی تابوت کو بند کر کے میخیں ٹھونک دی گئیں اور اسے زمین میں اتار دیا گیا۔ قبر میں چار آدمی پھاوڑوں سے تیزی کے ساتھ مٹی ڈالنے لگے اور چوبی تابوت کے ڈھکنے پر مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے برسنے لگے۔ آخر قبر پر مٹی کا ایک چھوٹا سا ڈھیر بن گیا۔ ایک دس سال کا لڑکا اس ڈھیر پر چڑھا۔ تدفین کے موقع پر تحیر اور بے حسی کا جو عالم بتدریج لوگوں پر طاری ہو جاتا ہے اس کے باعث ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ لڑکا اپنی ماں کی قبر پر کھڑا ہو کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لڑکے نے اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور سسکیاں لینے لگا۔ تیز ہوا کے ساتھ اس کے ننھے ہاتھوں اور چہرے پر بارش کا سرد پانی تھپیڑے مار رہا تھا۔ ایک شخص جو تنگ آستینوں والا سیاہ لبادہ پہنے ہوئے تھا قبر کے پاس گیا۔ یہ مرحومہ کا بھائی اور اس لڑکے کا ماموں نکولائی تھا جو پہلے پادری تھا مگر بعد میں اسی کے کہنے پر اس کو اس اعزاز سے محروم کر دیا گیا تھا۔ وہ آہستہ سے لڑکے کے پاس پہنچا اور اسے اپنے ساتھ لئے قبرستان سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

دونوں نے رات وہیں عبادت گاہ میں گذاری جہاں ماموں نکولائی کو پرانے تعلقات کی بنا پر ایک کمرہ مل گیا تھا۔ اگلے دن انہیں والگا کے کنارے ایک جنوبی شہر کی جانب روانہ ہونا تھا جہاں ماموں نکولائی ایک مقامی ترقی پسند اخبار کے پبلشر کے ہاں کام کرتا تھا۔ ٹکٹ خریدے جا چکے تھے اور کوٹھری میں ان کا سامان تیار رکھا تھا۔ اسٹیشن اتنا قریب تھا کہ وہ دور شنٹنگ کرنے والے انجنوں کی آواز صاف سن رہے تھے۔

اس شام سردی کافی تیز ہو گئی۔ کمرے کی دونوں کھڑکیاں بہت نیچی تھیں جن میں سے ایک سے ویران سبزیوں کا خانہ باغ، سڑک اور اس پر جمی ہوئی برف کے ٹکڑے اور اس گرجا گھر کا ایک حصہ دکھائی دے رہا تھا جہاں کچھ دیر پہلے دن میں میریا نیکولائیونا کو دفن کیا گیا تھا۔ ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ یہ بے برگ و بار پودے رقص کرنے لگتے اور پھر خاموش اور ساکت ہو جاتے۔

رات میں ایکا ایکی کھڑکی کے کھٹکھٹانے کی آواز سے لڑکے یورا کی آنکھ کھل گئی۔ سارا کمرہ ٹمٹماتی ہوئی روشنی سے عجیب و غریب طور پر چمک اٹھا۔ اس نے اپنا چہرہ کھڑکی کے نیچے شیشے سے لگا دیا۔ باہر سڑک، قبرستان یا سبزیوں کا خانہ باغ کچھ بھی دکھائی نہیں دے



رہا تھا۔ ہر طرف برف اور دھند کا دور دورہ تھا۔ آسمان اور زمین جدھر دیکھئے برف کے طوفان نے ایک سفید چادر تان رکھی تھی۔ آج طوفان پورے زور پر تھا اور دنیا کی ہر طاقت اس کے سامنے ہیچ تھی۔ یورا کو یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ اس طوفان میں زمین اندر کی جانب دھنس جائے گی اور اس کی ماں جو ابھی چند گھنٹے قبل دفن کی گئی ہے، زمین میں اور گہری اتر جائے گی۔ یہ سوچتے ہی لڑکے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اتنے میں اس کا ماموں بھی جاگ اٹھا اور اس نے یورا کے ساتھ یسوع مسیح کی باتیں کر کے اسے بہلانے کی کوشش کی۔ پو پھٹ رہی تھی جب ان دونوں نے کپڑے پہننا شروع کر دیئے۔

☆☆☆

جب تک یورا کی ماں زندہ تھی اسے یہ کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا باپ ایک عرصہ سے بیوی بچوں کو چھوڑ کر سائبریا اور دوسرے ملکوں میں گناہ آلود زندگی بسر کرنے پر خاندان کی دولت پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ اسے تو ہمیشہ یہی بتایا گیا تھا کہ اس کا باپ پیٹرزبرگ میں کاروبار کر رہا ہے۔

اس کی ماں دائم المریض تھی۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہے تو وہ بغرض علاج جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی جانے لگی۔ دو مرتبہ یورا بھی اپنی والدہ کے ساتھ گیا، لیکن اکثر اسے اجنبی اور ہر مرتبہ مختلف لوگوں کے ساتھ رہنا پڑتا۔ مگر اب وہ اس قسم کی تبدیلیوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب اس کا باپ نہیں آئے گا۔

اسے اپنے بچپن کا وہ زمانہ بخوبی یاد تھا جب بہت سی چیزوں کو اس کے اپنے خاندانی ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ اس کے خاندان کے نام ایک ژواگو فیکٹری تھی۔ ایک ژواگو بنک تھا۔۔۔ ایک ژواگو بلڈنگ تھی۔ نکٹائی کے ایک پن کا نام ژواگو تھا اور تو اور

ایک خاص قسم کے کیک کا نام بھی ژواگوتھا۔
ایک زمانہ وہ تھا کہ اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی والے کے سامنے ''ژواگو'' کا نام لے لیتا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ ''مجھے ٹمبکٹو لے چلو'' اور پھر یہ گاڑی والا واقعی ایک الف لیلہ جیسی روایتی سلطنت میں لے جاتا، پھر اچانک سب کچھ غائب ہو گیا۔ اب وہ لوگ غریب ہو گئے تھے۔

☆☆☆

1903ء کے موسم گرما کی ایک صبح کا ذکر ہے کہ یورا اپنے ماموں نکولائی کے ساتھ اپنے کھیتوں سے دو گھوڑوں والی بگھی میں سوار گذر رہا تھا۔ یہ لوگ ایک معلم اور مقبول عام درسی کتابوں کے مصنف ایوان واسکوبوئنی سے ملنے جا رہے تھے۔ یہ استاد ریشم کے مشہور کارخانہ دار اور فنون لطیفہ کے دلدادہ تاجر گرلوگر یووف کی جاگیر دو پلائنزکا میں رہتا تھا۔

یہ عید بطولہ کازان کا دن تھا۔ فصلوں کی کٹائی پورے زوروں پر تھی۔ یہ میلے کی وجہ سے تھا یا دوپہر کے وقفہ کے باعث، تاہم یہ حقیقت تھی کہ اس جگہ ایک بھی متنفس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دھوپ میں ادھ کٹے کھیت اس طرح چمک رہے تھے جس طرح سزایافتہ قیدیوں کے ادھ منڈے سر۔ کھیتوں پر ہر طرف پرندے اڑ رہے تھے۔ تمازت کے اس سکوت میں گیہوں کے سیٹے تنے ہوئے سیدھے کھڑے تھے۔

نکولائی نکولائیوچ کے پاس مسئلہ اراضی پر واسکوبوئنی کوف کی کتاب کے پروف تھے۔ پبلشر نے مصنف سے کہا تھا کہ وہ اس کتاب کے مسودہ میں روز بروز بڑھتے ہوئے سخت سنسر کی روشنی میں ذرا ترمیم و تنسیخ کر دے: ''یہاں لوگ بے قابو ہوئے جا رہے ہیں۔ ایک قریبی گاؤں میں ایک تاجر کو قتل کر دیا گیا۔ کھیتی باڑی اور مکان کو آگ لگا دی گئی۔ آخر تم اس کا کیا مطلب سمجھے؟ کیا تمہارے گاؤں میں بھی اس کا کوئی چرچا ہے؟''

یہ دوسرا موقع تھا کہ یورا اپنے ماموں کے ساتھ دو پلائنزکا جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ راستے سے اچھی طرح واقف ہے اور اسے معلوم ہے کہ اب سڑک کہاں جا کر سیدھی جانب مڑے گی اور کہاں سے چھ میل طویل کولوگر یووف کی جاگیر کی پہلی جھلک دکھائی دے گی جس سے ذرا اور ایک طرف دریا ہے اور اس سے آگے ریلوے لائن، لیکن اس کا خیال ہر مرتبہ غلط ثابت ہوا۔ ایک کے بعد دوسرا کھیت آتا اور دور جنگل میں نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ ان وسیع میدانوں کو دیکھ کر معاً اس کے دل میں آزادی اور بلندی کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔ انہیں دیکھ کر وہ سوچتے ہوئے مستقبل کے خواب دیکھنے لگا۔

یورا اپنے ماموں کے پاس رہ کر بہت خوش ہوتا۔ ماموں کو دیکھ کر اسے اپنی ماں یاد آ جاتی۔ اس کی ماں کی طرح اس کے ماموں کا دماغ بھی بہت تیز تھا۔ وہ آزادی پسند تھا اور اسرار قدرت سمجھنے کے لئے بے چین رہتا۔ وہ بھی انسانی زندگی میں مساوات کا علمبردار تھا اور اپنے خیالات کا بر وقت اور بہترین الفاظ میں اظہار کرنے پر قادر تھا۔ یورا خوش تھا کہ اس کا ماموں اسے اپنے ساتھ دو پلائنزکا لئے جا رہا ہے۔ یہ ایک خوبصورت جگہ تھی اور اسے دیکھ کر بھی اسے ماں یاد آ گئی جو قدرتی مناظر کی بہت شوقین تھی اور اسے اکثر دیہات میں لے جایا کرتی تھی۔ اسے نِکا دروف سے دوبارہ ملنے کا بھی اشتیاق تھا۔ نِکا اسکول میں پڑھتا تھا اور واسکوبوئنی کوف کے ہاں رہتا تھا۔

☆☆☆

ٹرین کے سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں میشا گورڈن بیٹھا ہوا اپنے باپ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس کا باپ اورنبرگ کا ایک وکیل تھا۔ میشا گیارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا تھا۔ اپنے چہرے سے وہ سوچ بچار کا عادی معلوم ہوتا تھا اور اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں۔ وہ ورزش گاہ کے، دوسرے سال میں تھا۔ اس کے باپ گریگوری گورڈن کا تبادلہ ماسکو میں ایک نئے عہدے پر ہوا تھا۔ اس کی ماں اور بہنیں مکان ٹھیک ٹھاک کرنے کے لیے کچھ عرصہ پہلے ہی وہاں جا چکی تھیں۔

باپ اور بیٹے کو سفر کرتے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ روس کی سرزمین، اس کے کھیت، چراگاہیں دیہات اور قصبے سورج کی روشنی میں ان کی نظروں کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ ہر چیز گرد کے بادلوں میں لپٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ شاہراہوں پر گاڑیوں کی قطاریں چلتی ہوئی نظر آتی تھیں جو کبھی کبھی سڑک سے ہٹ کر ریلوے لائن کو عبور کرتی تھیں۔ انتہائی تیز رفتار ٹرین سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گاڑیاں رکی ہوئی کھڑی ہوں اور ان کے گھوڑے آرام کر رہے ہوں۔

دنیا میں ہر نقل و حرکت اپنی جگہ سوچی سمجھی اور کسی مقصد کے تحت معلوم ہوتی تھی لیکن اگر انہیں ایک ساتھ دیکھا جاتا تو زندگی کے اسی عام دھارے کی ترنگ سے معمور نظر آتے تھے جس نے ان سب کو متحد کر دیا تھا۔ لوگ کام کرتے تھے اور جدوجہد کرتے تھے۔ اگر ان کے اندر ضرورتوں اور تفکرات سے آزادی حاصل کرنے کا اعلیٰ جذبہ موجود نہ ہوتا تو یہ مشینیں صحیح طریقہ پر کام نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ آزادی اسی احساس کا نتیجہ تھی کہ تمام انسانی زندگیاں

ایک رشتے میں منسلک ہیں۔۔۔اس بات کا یقین کہ وہ ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہیں، ایک مسرت انگیز احساس کہ تمام واقعات صرف روئے زمین پر ہی پیش نہیں آتے جہاں مُردے گاڑے جاتے ہیں بلکہ کسی دوسری دنیا میں بھی پیش آتے ہیں جسے کچھ لوگ خدائی بادشاہت، کچھ لوگ تاریخ، اور بعض دوسرے لوگ کسی اور ہی نام سے پکارتے ہیں۔ میشا اس عام نظریہ سے بالکل الگ تھا۔ وہ ہمیشہ اس بات پر یقین کرتا رہا تھا کہ دوسرے لوگوں جیسے بازو اور ٹانگیں رکھتے ہوئے اور وہی زبان اور طرز زندگی رکھتے ہوئے جیسا کہ تمام دوسرے لوگوں کا تھا، ایک شخص دوسروں سے مختلف کیوں کر ہو سکتا ہے۔ وہ یہ صورت حال نہیں سمجھ سکا تھا جس میں ایک شخص جو دوسرے لوگوں سے بدتر ہو، اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش بھی نہ کر سکتا ہو۔ یہودی ہونے کا کیا مطلب تھا؟ اس کا مقصد کیا تھا؟

اپنے والدین کو چھوڑ کر وہ رفتہ رفتہ تمام بڑی عمر کے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا جو اس خرابی کا باعث تھے اور اسے دور نہیں کر سکتے تھے۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ بڑا ہو جائے گا تو وہ سب کچھ ٹھیک کر دے گا۔

اب مثال کے طور پر کوئی بھی یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا کہ جب وہ بھاگ کر باہر پلیٹ فارم پر گیا تھا تو اس کے باپ کو اس پاگل آدمی کے پیچھے دوڑنا نہیں چاہئے تھا اور اس وقت ٹرین کو روکنا نہیں چاہیے تھا جب گریگوری کو ایک طرف دھکیل کر دروازہ کھولتے ہوئے اس پاگل نے اپنے آپ کو سر کے بل ایکسپریس ٹرین کے باہر گرا دیا تھا۔ چونکہ اس کے باپ نے خطرے کی زنجیر کھینچی تھی اس لئے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ٹرین محض ان کی وجہ سے اتنی دیر تک رکی رہی ہو۔

خودکشی کرنے والے شخص کی لاش پشتے کے قریب گھاس پر رکھی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی سے جو خون کی دھار بہہ رہی تھی، وہ اب خشک ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے چہرے پر کانٹے کا نشان بن گیا ہو۔

حالات جاننے کے شوقین لوگوں اور ہمدردی رکھنے والوں نے لاش کو گھیر رکھا تھا اور ان کی زبانیں برابر چلے جا رہی تھیں جبکہ اس کا دوست اور سفر کا ساتھی، ایک تنومند اور خودسر قسم کا وکیل، ایک اصل نسل کا جانور جس نے پسینے میں بھیگی ہوئی قمیص پہن رکھی تھی اس کے قریب بیزار سا کھڑا تھا۔ تمام سوالوں کے جواب میں وہ اپنے کندھے ہلا دیتا تھا اور بغیر مڑے ہوئے بگڑ کر کہتا تھا: ''وہ ایک شرابی تھا۔ کیا تم سمجھ نہیں سکتے؟ اس نے دورے کی حالت میں ایسا کیا تھا۔''

ایک دو مرتبہ ایک دبلی پتلی عورت جو اونی لباس اور بیل والا رومال اوڑھے ہوئے تھی لاش کے پاس پہنچی۔ وہ تیورزینہ کی بیوہ تھی جس کے دو بیٹے انجینئر تھے۔ یہ عورت اپنی دو بہوؤں کے ساتھ تھرڈ کلاس میں سفر کر رہی تھی۔ تیورزینہ کا شوہر ریلوے کے ایک حادثہ میں زندہ جل گیا تھا۔ وہ لاش سے دور کھڑی تھی مگر لوگوں کے ہجوم میں سے اسے صاف دیکھ سکتی تھی۔ تمام مسافر گاڑی سے باہر آ گئے اور لاش پر ایک نظر ڈال کر اپنے اپنے ڈبوں میں واپس چلے گئے اور وہ بھی صرف اس خوف سے کہ کہیں ان کا سامان چوری نہ ہو جائے۔

اس حادثہ نے میشا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ مارے غم اور خوف کے وہ خوب رویا۔ اس طویل سفر کے دوران خودکشی کرنے والا آدمی کئی مرتبہ ان کے ڈبہ میں آیا تھا اور اس نے گھنٹوں میشا کے والد سے باتیں کی تھیں۔ ہر مرتبہ جب بھی یہ گھبرایا ہوا آدمی ذرا مطمئن ہوتا، اس کا ساتھی ایک فرسٹ کلاس کے ڈبہ سے آتا اور اسے شیمپین پلانے کے لئے گاڑی کے ریستوران میں لے جاتا۔ یہ خوش پوش، مغرور اور ہٹا کٹا آدمی وکیل تھا جو اب لاش کے پاس کھڑا تھا مگر اس کے چہرے پر حیرت واستعجاب یا افسردگی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ ہر شخص اسے دیکھ کر مجبوراً اس نتیجہ پر پہنچتا کہ اس کے موکل کی اضطراری کیفیت کسی نہ کسی طرح اس کے لئے سودمند تھی۔

میشا کے والد نے اسے بتایا کہ وہ مشہور کروڑ پتی ژواگو تھا، جو ایک خوش مزاج، اوباش اور فضول خرچ آدمی تھا اور دراصل اپنے افعال بد کا وہ خود زیادہ ذمہ دار نہیں تھا۔ جب وہ ان کے ڈبہ میں آتا تو میشا کی موجودگی کے احساس سے بے خبر وہ اپنے بیٹے کی باتیں کرتا جو میشا کا ہی ہم عمر تھا۔ اپنی سابق بیوی کا ذکر کرتا اور پھر اپنے دوسرے خاندان کی بات چھیڑ دیتا جسے اس نے پہلے خاندان ہی کی طرح چھوڑ دیا تھا۔

اچانک ہر طرف ایک ہلچل سی مچ گئی۔ برابر کی لائن پر ایک ہینڈ کار آ کر رکی جس میں سے ایک ڈاکٹر، دو پولیس والے اور ایک مجسٹریٹ اترے۔ خاص دفتری انداز میں چند سوالات پوچھے اور کچھ بیانات قلمبند کئے گئے۔ پولیس والوں اور محافظ دستوں نے بجری میں بری طرح پھسلتے اور لڑھکتے ہوئے لاش کو کھینچ کر لائن کے برابر رکھا۔ ایک دیہاتی عورت نے رونا شروع کر دیا اور مسافروں سے کہا گیا کہ وہ واپس اپنی سیٹوں پر چلے جائیں۔ گارڈ نے سیٹی بجائی اور گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

☆☆☆

ڈیکا پچھلی رات بالکل نہیں سو سکا تھا۔ اس کا دماغ بوجھل ہو رہا تھا۔ یہ اس کا چودھواں سال تھا اور وہ بدستور بچہ بنے رہنے کے خیال سے تنگ آ گیا تھا۔ وہ رات بھر جاگتا رہا اور صبح سویرے باہر چلا گیا۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی روشنی میں شبنم سے بھیگے ہوئے درختوں کے طویل سائے پارک کے میدان پر پڑ رہے تھے۔ یہ سائے سیاہ نہیں تھے بلکہ گہرے بھورے رنگ کے تھے۔ صبح کی مست کر دینے والی خوشبو زمین پر پڑتے ہوئے ان پُرنم سایوں سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور اس میں سے روشنی کی لکیریں کسی لڑکی کی انگلیوں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔

اس کا باپ دمانتی دوروف ایک دہشت پسند تھا جسے پھانسی کی سزا دی گئی تھی لیکن بعد میں اس کی سزا معاف کر دی گئی تھی اور اب وہ جبری مشقت کی سزا کاٹ رہا تھا۔ اس کی ماں جارجیا کے ارستوف خاندان کی ایک شہزادی تھی۔ وہ ایک حسین اور بگڑی ہوئی عورت تھی جو اب تک جوان تھی اور بغاوتوں، باغیوں، تشدد پسندانہ نظریات، مشہور اداکاروں، تکلیف دہ ناکامیوں یا کسی نہ کسی چیز کے بارے میں غلط قسم کے خیالات اس کے ذہن میں سمائے رہتے تھے۔

اس کی ماں بھی خوب تھی۔ جب وہ چلی گئی تو اس نے واسکو بوئی کوف اور خود اس سے جھوٹ بولا تھا۔ وہ کاکیشیا کے نزدیک تک نہیں گئی تھی بلکہ قریب ترین جنکشن پر راستہ تبدیل کر کے شمال کی طرف پیٹرز برگ چلی گئی تھی اور وہاں طالب علموں کے ساتھ پولیس پر گولیاں چلا کر تفریح میں وقت گذار رہی تھی۔ ادھر وہ خود اس ذلیل جگہ پر پڑا ہوا سڑ رہا تھا، لیکن وہ ان سب سے زیادہ چالاک ثابت ہوگا۔ وہ نادیا کو مار ڈالے گا، اسکول چھوڑ دے گا۔ بھاگ کر اپنے باپ کے پاس سائبیریا چلا جائے گا اور بغاوت شروع کر دے گا۔

انوکھی لڑکی

جاپان کے ساتھ ابھی جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہ سانحہ دوسرے غیر متوقع حادثات سے دب کر رہ گیا۔ روس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک انقلاب کی لہریں رواں دواں تھیں اور ہر انقلابی لہر پہلے سے زیادہ عظیم و شدید تھی۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ بلجیم کے ایک انجینئر کی فرانسیسی نژاد بیوہ امیلیا کارلوونا گیشار جس نے روسی شہریت اختیار کر لی تھی، یورال سے اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر ماسکو پہنچی۔ ان میں ایک بیٹا تھا (رودیا) اور دوسری بیٹی تھی، لاریسا (لارا) اس نے اپنے بیٹے کو ملٹری اکیڈمی میں داخل کرا دیا اور بیٹی کو لڑکیوں کے جسمانی ورزش کے اسکول میں جہاں اتفاق سے نادیا بھی اس کی ہم جماعت تھی۔

مادام گیشار کے شوہر نے اس کے لئے کافی دولت اور حصص چھوڑے تھے جن کی قیمت کچھ عرصہ تک تو بڑھتی رہی مگر اب گرنا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے کوئی کام شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ٹرائمفل آرک کے قریب لباس تیار کرنے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ خرید لیا۔ یہ کارخانہ اس نے لیوتسکایا کے ورثا سے خریدا جس کے ساتھ ہی اسے اس فرم کی نیک نامی، خریدار، درزنیں اور کام سیکھنے والی شاگرد لڑکیاں بھی مل گئیں۔

یہ کام مادام گیشار نے کومارووسکی کے مشورہ پر کیا۔ کومارووسکی ایک وکیل تھا اور کسی زمانہ میں اس کے شوہر کا دوست تھا۔ اب وہ اسی شخص سے مشوروں اور مدد کے لئے رجوع کرتی تھی۔ وہ ایک ٹھنڈے دل و دماغ کا کاروباری آدمی تھا اور اسے روس کی کاروباری دنیا سے اتنی واقفیت تھی جتنی کسی کو اپنی ہتھیلی سے ہو سکتی ہے۔ انہی سے خط کتابت کر کے مادام گیشار نے یہ فیصلہ کیا تھا اور جب وہ بچوں کو لے کر ماسکو پہنچی تو اس نے ریلوے اسٹیشن پر ان کا استقبال کیا اور انہیں شہر کے دوسرے سرے پر اوروزنی پیریولوک کے علاقہ میں مونٹی نیگرو ہوٹل پہنچایا جہاں اس نے پہلے سے ان کے لئے کمرہ روک رکھا تھا۔ اسی نے رودیا کو ملٹری اکیڈمی اور لارا کو اپنی پسند کے اسکول بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔ کومارووسکی لڑکے سے یونہی سرسری مذاق کرتا اور لڑکی کو اتنا گھور کے دیکھتا کہ وہ شرما جاتی۔

اس خاندان نے تقریباً ایک ماہ تک مونٹی نیگرو ہوٹل میں قیام کیا اور اس کے بعد وہ اپنے ورکشاپ سے ملحق تین کمروں کے ایک مکان میں منتقل ہو گئے۔ یہ ماسکو کا بہت ہی بدنام علاقہ تھا۔ گلی کوچے تاریک و غلیظ، سستے شراب خانوں کی بھرمار جو ہر وقت مشتبہ چال چلن کے ٹیکسی ڈرائیوروں سے بھرے رہتے تھے۔ پورے کے پورے بازار اور گلی کوچے جرائم کے مراکز اور پیشہ ور عورتوں کے اڈوں سے پٹے پڑے تھے۔

☆☆☆

بچوں نے کمروں میں جو کوڑا کرکٹ، کھٹل اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر دیکھا تو انہیں اس پر قطعاً کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد سے ہی ان کی ماں مسلسل طور پر مفلسی کے خوف میں زندگی گزار رہی تھی۔ رودیا اور لارا کو یہ سننے کی عادت ہو گئی تھی کہ وہ تباہی کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ وہ اچھی طرح محسوس کرتے تھے کہ وہ گلی کے دوسرے بچوں سے مختلف ہیں، لیکن کسی یتیم خانہ میں تربیت یافتہ بچوں کی طرح ان کے دلوں میں بھی امیر آدمیوں کا

خوف بری طرح بیٹھ چکا تھا۔

ان کی والدہ اس خوف کی زندہ مثال تھی۔ مادام گیشار گوری چٹی، موٹی تازی اور سنہرے بالوں والی ایک 35 سالہ خاتون تھی جسے کبھی دل کی گھبراہٹ کے دورے پڑتے اور کبھی حماقت کے۔ وہ بھیانک حد تک بزدل اور مردوں سے بری طرح خوفزدہ رہتی، لہٰذا اسی خوف اور گھبراہٹ کا نتیجہ تھا کہ وہ کبھی کسی ایک سے محبت کرتی اور کبھی دوسرے سے۔

مونٹی نیگرو ہوٹل میں یہ خاندان کمرہ نمبر 23 میں رہتا تھا۔ جب سے ہوٹل قائم ہوا تھا کمرہ نمبر 24 میں ایک سازندہ تاشکیوچ قیام پذیر تھا۔ سر سے گنجا۔ اکثر پسینے میں شرابور۔ بظاہر رحم دل۔ اور سر پر مصنوعی بالوں کی ٹوپی پہنے ہوئے۔ بات چیت کے دوران وہ دوسروں کو قائل کرنے کے لئے اکثر اپنے دونوں ہاتھوں سے سینے پر ایسے نیت باندھتا جیسے عبادت گذار لوگ کرتے ہیں۔ ہمسایوں کی حیثیت سے وہ ایک دوسرے کی کبھی کبھار مدد کرتے رہتے اور اس طرح وہ ایک دوسرے سے مانوس ہو گئے۔

☆☆☆

جب کبھی کوماردوسکی وہاں آتا اور بچے گھر پر موجود ہوتے تو مادام گیشار پریشان سی ہو جاتی لہٰذا تاشکیوچ اپنے کمرے کی چابی اسے دے جاتا کہ مادام اس کے کمرے میں اپنے دوست سے مل سکے۔ ورکشاپ تو ورسکایا اسٹریٹ کے کونے کے قریب ایک منزلہ مکان میں تھا۔ قریب ہی بریسٹ ریلوے کے انجن ڈپو، مال گودام اور ملازمین کے مکانات تھے۔ انہی کوارٹروں میں سے ایک میں اولیا دامینا نام کی ایک لڑکی رہتی تھی جو بہت ذہین تھی۔ یہ لڑکی مادام گیشار کے ہاں کام کرتی اور اس کا چچا مال گودام میں۔ اولیا بہت تیزی کے ساتھ کام سیکھ رہی تھی۔ پرانے مالک بھی اس سے بہت خوش تھے اور نئے بھی۔ لارا گیشار کو یہ لڑکی بہت پسند کرتی تھی۔

لیوترکایا کے زمانہ سے اب تک فیکٹری میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ سلائی کی مشینیں تھکی ماندی درزنوں کے پاؤں یا سبک ہاتھوں کے اشاروں پر برابر شور مچاتی ہوئی مضطرب انداز سے چل رہی تھیں۔

کوماردوسکی اکثر ان لوگوں سے ملنے جاتا اور جب اُن کے مکان جانے کے لئے ورکشاپ سے گذرتا تو فیشن ایبل عورتوں کو جو نئے سے نئے کپڑے پہنے ہوتیں بری طرح گھورتا اور عورتیں اپنے آپ کو اس کے مشکوک مذاق سے بچانے کے لئے ہڑبڑا کر پردوں کے پیچھے چھپ جاتیں۔ درزنیں اس پر بہت ناراض ہوتیں اور حقارت کے ساتھ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگتیں: ''یہ لاٹ صاحب آ گئے ہیں''۔۔۔''امیلیا کا درد سر''۔۔۔''بوڑھا بکرا''۔۔۔''عورتوں کا قاتل۔''

اس کا کتا جیک اس سے بھی زیادہ نفرت وحقارت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ موسم بہار کا ایک دن تھا کہ جیک نے اپنے تیز دانت لارا کی ٹانگ میں پیوست کر ڈالے اور اس کی جرابیں کاٹ لیں۔ اولیا نے لارا کے کان میں آہستہ سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''میں اس شیطان کو مار ڈالوں گی۔''

لارا ہنسنے لگی اور اس نے اولیا کی طرف رشک بھری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سوچ رہی تھی یہ ایک مزدور لڑکی ہے جو غربت میں دن گذار رہی ہے۔ اس قسم کے بچے وقت سے پہلے نشوونما پا جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ کتنی اچھی اور معصوم ہے۔

☆☆☆

''امی اس کی۔۔۔کیا لفظ ہے۔۔۔وہ امی کا۔۔۔یہ الفاظ بے ہودہ ہیں۔ میں اپنی زبان سے نہیں کہوں گی۔ تو پھر وہ میری طرف ایسے کیوں دیکھتا ہے؟ آخر میں اس کی بیٹی لگتی ہوں۔''

لارا کی عمر سولہ سال سے کچھ ہی اوپر ہوگی لیکن اس کی اٹھان اچھی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کی عمر 18 یا اس سے بھی زائد ہے۔ اس کا دل صاف تھا۔ جو اس سے ملتا خوش ہوتا۔ شکل و صورت سے بھی وہ بہت اچھی تھی۔ اس نے اور رودیا نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ جدوجہد کے بغیر انہیں زندگی میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ لارا نہایت ہی پاکیزہ اور پاکدامن لڑکی تھی۔

لارا اسکول میں دل لگا کر کام کرتی تھی اس لئے نہیں کہ اسے تعلیم سے بجائے خود محبت تھی بلکہ محض اس لئے کہ صرف انہی طالب علموں کو وظیفے دیئے جاتے تھے جو سب سے زیادہ لائق اور اہل ہوں۔ اسی طرح وہ برتن دھونے، ورکشاپ کے کام میں مدد دینے اور اپنی ماں کے بتائے ہوئے کام انجام دینے میں کافی ہوشیار تھی۔ اس کی چال میں ایک دلربائی تھی اور اس کی تمام وضع قطع، آواز، جسم، اشارے، اس کی بھوری آنکھیں اور اس کے چمکدار اور ملائم بال۔۔۔یہ سب چیزیں مل کر حسن و دلربائی کا ایک مجسمہ معلوم ہوتی تھیں۔

وسط جولائی میں اتوار کا دن تھا۔ چھٹی کے روز بستر پر دیر تک آرام کیا جا سکتا ہے۔ لارا پشت کے بل لیٹی ہوئی تھی اور اس نے اپنے ہاتھوں سے سر کو سہارا دے رکھا تھا۔ ورکشاپ میں خاموشی تھی۔ سڑک کی جانب کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ لارا نے اپنے بائیں کندھے اور اپنے داہنے پیر کے پنجے سے اپنے قد و قامت اور بستر میں اپنی پوزیشن کا اندازہ لگایا۔ اس کے علاوہ اور ہر چیز خود اس سے

مطابقت رکھتی تھی، اس کی روح اس کے جسم سے ہم آہنگ تھی۔
''مجھے ضرور سو جانا چاہیے۔'' لارا نے سوچا اور اپنے ذہن میں گاڑیوں کے احاطہ کا تصور قائم کر لیا اور پھر کچھ اور آگے بڑھ کر لارا نے پٹرووکا اسٹریٹ کا تصور کیا۔

یہ اولگا کے عقیقہ کا دن تھا جو کومار دوسکی کے کسی دوست کی چھوٹی بچی تھی۔ وہ لوگ گاڑیوں کے احاطہ میں رہتے تھے۔ بڑے بوڑھے رقص کر کے اور شمپین پی کر یہ تقریب منا رہے تھے۔ اس نے ماں کو بھی دعوت دی تھی لیکن وہ جا نہیں سکی تھی کیونکہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ ماں نے کہا۔ ''لارا کو لے جاؤ۔ تم ہمیشہ مجھ سے کہتے رہتے ہو کہ میں لارا کا خیال رکھوں۔ اچھا اب تم ہی اس کی خبر گیری کرو۔'' اور اس نے واقعی اس کی خبر گیری کی۔ یہ بھی کیا مذاق تھا! اس کی شروعات رقص ہی سے ہوئی تھی، موسیقی کی تانوں کے ساتھ ہی ساری کائنات افسانوی زندگی کی طرح گذرتی لیکن موسیقی کے تھمتے ہی ایک قسم کا دھکا سا لگتا ہوا محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے ٹھنڈے پانی کی بالٹی آپ پر الٹ دی ہو۔ کسی نے آپ کو ننگا دیکھ لیا ہو۔

وہ کبھی یہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اتنی اچھی طرح رقص کرتا ہوگا۔ اس کے ہاتھ کتنے پھرتیلے تھے اور اس نے کتنے اعتماد کے ساتھ اس کی کمر میں اپنے ہاتھ حمائل کئے تھے! لیکن اب وہ کبھی ہرگز کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ وہ اس کا اس طرح بوسہ لے سکے۔ اس نے کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ کسی شخص کے ہونٹ اتنے گستاخ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اتنی دیر تک اس کے ہونٹوں سے ایک طویل بوسے کی صورت میں پیوست رہیں۔ اسے رقص کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔ وہی تمام برائیوں کی جڑ تھی۔ اسے جرات سے کام لے کر انکار کر دینا چاہئے اور یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ اس نے رقص کرنا نہیں سیکھا یا یہ کہ اس کے پیر میں چوٹ آ گئی ہے۔

☆☆☆☆

اس سال موسم خزاں میں ماسکو کی ریلوے لائن پر کام کرنے والے مزدوروں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ماسکو۔۔۔ کازان لائن پر کام کرنے والے عملے نے ہڑتال کر دی اور خیال تھا کہ ماسکو بریسٹ لائن کا عملہ بھی ہڑتال میں شریک ہو جائے گا۔ اکتوبر کے شروع مہینہ کی ایک سرد صبح تھی، آسمان ابر آلود تھا اور یہ مزدوروں کی اجرتیں ملنے کا دن تھا۔ کافی عرصہ تک محاسب کے دفتر سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اس کے بعد ایک لڑکا تنخواہوں کا حساب اور ان جرمانوں کی فہرست اور تفصیل لے کر دفتر میں آیا جو ان کی تنخواہوں میں سے کاٹے گئے تھے۔ خزانچی نے تنخواہیں بانٹنی شروع کر دیں۔

شہر میں ہوا کی بو سے ہی ظاہر تھا کہ موسم سرما شروع ہو رہا ہے جو پاؤں تلے روندے ہوئے درختوں کے پتوں، پگھلی ہوئی برف، انجن کے جلے ہوئے کوئلے کی کالک اور تنور سے ابھی ابھی نکلی ہوئی گیہوں کی روٹی کی لپٹ کا عجیب و غریب امتزاج معلوم ہوتی تھی۔ یہ روٹی اسٹیشن کے طعام خانہ کے تہ خانہ میں پکائی جا رہی تھی۔ گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ شنٹنگ ہو رہی تھی۔ ڈبوں کو ایک دوسرے سے جوڑا جا رہا تھا۔ الگ کیا جا رہا تھا۔

فوفلیچن اور پاول انتی پوف ریلوے لائن کے کنارے ٹہل رہے تھے، اول الذکر ڈویژنل مینجر تھا اور دوسرا لائن کا اوورسیر۔ انتی پوف ریلوے لائن کی مرمت میں استعمال ہونے والے فاضل پرزوں کی ساخت کے بارے میں متعلقہ کارخانہ کی شکایت کر رہا تھا۔ انتی پوف کا خیال تھا کہ شدید سردی کے موسم میں پٹڑی ٹوٹ جائے گی۔ منتظمین محض اس کی شکایت کو دبا رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے ان ٹھیکوں میں کوئی خوب دولت سمیٹ رہا ہے۔

فوفلیچن سمور کا ایک قیمتی کوٹ پہنے ہوئے تھا جس پر ریلوے یونیفارم کے نشانات کڑھے ہوئے تھے۔ انتی پوف جو کچھ کہہ رہا تھا اسے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا رہا تھا۔ فوفلیچن اس وقت کچھ دوسرے ہی خیالوں میں غرق تھا۔ وہ بار بار گھڑی نکالتا اور اسے غور سے دیکھتا، اسے کہیں جانے کی جلدی تھی۔

فوفلیچن نے اپنی گھڑی دیکھی، اس کا ڈھکن بند کیا اور پھر فاصلہ پر گھور کر دیکھنے لگا جہاں ایک سڑک ریلوے لائن کی طرف آتی تھی۔ سڑک کے ایک موڑ پر اسے ایک گاڑی دکھائی دی۔ یہ فوفلیچن کی اپنی گاڑی تھی۔ اس کی بیوی اس کے پاس آئی تھی۔

'' اچھا میرے پیارے دوست، پھر کسی وقت سہی۔'' ڈویژنل مینجر نے اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ دونوں میاں بیوی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

تین چار گھنٹے بعد تقریباً مغرب کے وقت ریل کی پٹڑی سے کچھ فاصلہ پر ایک کھیت میں جہاں اس وقت تک کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا دو سائے زمین پر سے اٹھتے ہوئے دکھائی دیئے اور پیچھے گھوم کر دیکھنے کے بعد تیزی سے ایک طرف چلے گئے۔

''ہمیں اور زیادہ تیز چلنا چاہیے۔'' تیورزن نے کہا۔ ''وہ کہتے ہیں کہ آج تنخواہیں مل رہی ہیں۔ میں دفتر تک جاؤں گا۔ اگر آج تنخواہ نہ ملی تو میں تم سب پر لعنت بھیجوں گا۔ خدا کی قسم میں ایسا ہی کروں گا۔ میں یہ سب کچھ خود ختم کر دوں گا اور ایک منٹ بھی

انتظار نہیں کروں گا۔''

''اور کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم یہ کام کس طرح کرو گے؟''

''کوئی مشکل نہیں۔ میں بوائلر روم میں جاؤں گا اور سیٹی بجا دوں گا۔ بس۔''

انہوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔

تیورزن ریل کی پٹریوں کو پار کر کے شہر کی طرف چل دیا۔ راستہ میں اسے وہ لوگ آتے ہوئے ملے جو دفتر سے اپنی تنخواہیں لے کر آ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ اسٹیشن کے تقریباً سارے عملے کو تنخواہیں ادا کر دی گئی ہیں۔

اب اندھیرا ہو چلا تھا اور دفتر میں روشنی ہو رہی تھی۔ دفتر کے باہر سڑک پر فوفلیچن کی گاڑی کھڑی تھی جس میں اس کی بیوی بالکل اسی انداز سے بیٹھی ہوئی تھی جیسے اس نے صبح سے حرکت ہی نہ کی ہو۔ وہ اپنے شوہر کا انتظار کر رہی تھی جو اپنی تنخواہ لے رہا تھا۔ اچانک برف پڑنی شروع ہو گئی۔ تیورزن سلام کئے بغیر اس کے پاس سے ہو کر گذر گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی تنخواہ بعد میں آ کر لے گا تاکہ دفتر میں اس کے شوہر کا سامنا نہ ہو جائے۔

''تیورزن! کپرک!'' تاریکی میں [illegible] کئی آوازیں سنائی دیں۔ ورکشاپ کے باہر کچھ لوگوں کا مجمع تھا۔ اندر کوئی شخص زور زور سے چلا رہا تھا اور ایک لڑکا رو رہا تھا۔

معمول کے مطابق بوڑھا فورمین پیوترے خورولیف اپنے نوعمر شاگرد یوسپکا کو پیٹ رہا تھا۔ خورولیف ہمیشہ سے ایسا ظالم اور شراب پی کر شور وغل مچانے والا نہیں تھا۔ ایک وہ زمانہ بھی تھا جب ایک نوجوان اور مستعد مزدور کی حیثیت سے وہ ماسکو کے صنعتی علاقہ میں تاجروں اور پادریوں کی لڑکیوں کی توجہ کا مرکز تھا اور وہ اسے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا کرتی تھیں، لیکن اس لڑکی فارمانے جس سے اسے محبت تھی اور جس نے اسی سال کانونٹ اسکول میں تعلیم ختم کی تھی اسے ٹھکرا دیا اور اس کے ساتھی سویلی سے شادی کر لی تھی جو ایک مکینک اور تیورزن کا باپ تھا۔

سویلی کے ہیبت ناک انجام کے پانچ سال بعد (وہ 1888ء میں ریل کے سنسنی خیز حادثہ میں جل کر مر گیا تھا) خورولیف نے پھر اپنی محبت کا اظہار کیا لیکن مارفا گلوریلوفا نے پھر اسے مسترد کر دیا۔ محبت میں ناکام ہو کر خورولیف نے شراب نوشی اور لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ وہ دنیا سے انتقام لینا چاہتا تھا جو اس کے خیال میں اس کی بدقسمتی کی ذمہ دار تھی۔

یوسپکا جمال الدین کا لڑکا تھا جو اس علاقہ کے مکانوں کا چوکیدار تھا جہاں تیورزن رہتا تھا۔ تیورزن نے لڑکے کو اپنی نگرانی میں لے لیا تھا اور اس سے خورولیف کے غصہ کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی تھی۔

''تم لڑکے پر ظلم کیوں کرتے ہو؟'' تیورزن نے مجمع کے درمیان سے گذر کر آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

''تم سے کوئی مطلب نہیں ہے۔'' خورولیف نے بگڑتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم لڑکے پر ظلم کیوں کرتے ہو؟''

''بھاگ جاؤ، میں تم سے کہتا ہوں کہ صحیح سلامت یہاں سے کھسک جاؤ۔ میں تیری ماں کو جانتا ہوں جو ایک پھوہڑ، ذلیل اور آوارہ عورت ہے۔''

اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ ایک ہی منٹ کے اندر ختم ہو گیا۔ قریب ہی بنچ پر اوزار اور لوہے کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے اور ان دونوں کے جو کچھ بھی ہاتھ پڑا انہوں نے اٹھا لیا۔ اگر مجمع کے آدمیوں نے فوراً بڑھ کر انہیں علیحدہ نہ کر دیا ہوتا تو یقیناً ایک دوسرے کو مار ڈالتے۔

تیورزن نے بلا کی طاقت و جدوجہد کے ساتھ ایک دم ان دونوں آدمیوں کو جھٹکا دے کر الگ کر دیا، جو اس سے چمٹے ہوئے تھے اور دروازے کی طرف دوڑا۔ دروازہ زور سے بند کر کے وہ باہر نکلا اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ موسم خزاں کی غم آلود رات تھی اور وہ بڑبڑا رہا تھا۔ ''تم ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہو اور وہ تم پر چاقو لے کر دوڑتے ہیں۔'' راستہ چلتے ہوئے وہ اس سے بھی بے نیاز تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔

تیورزن کو کافی تاخیر کے ساتھ معلوم ہوا کہ انتی پوف کے ساتھ خفیہ پناہ گاہ سے اس کی روانگی کے بعد ہی ہڑتال کمیٹی نے اس رات ہڑتال شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

عین اس وقت جبکہ انجنوں کی مرمت کے ورکشاپ کی سیٹی بجی تیورزن نے محسوس کیا کہ یہ آواز اس کے دل سے نکل رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ڈپو اور مال گودام سے مزدور نکل کر باہر جمع ہو گئے۔ بعد میں بوائلر روم کے مزدور بھی ان سے آ ملے۔ انہوں نے تیورزن کے اشارہ پر کام چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

تیورزن کئی سال تک یہی سمجھتا رہا کہ اس رات صرف اس نے لائن پر کام اور ٹریفک کو رکوا دیا تھا، مگر ایک عرصہ بعد جبکہ ہڑتال

میں شرکت کے الزام میں۔۔۔ ہڑتال کرانے کے الزام میں نہیں۔۔۔اس کے خلاف مقدمہ چلااس وقت اسے صحیح بات معلوم ہوئی۔

تیورزن دودن کے بعد گھر لوٹا۔اس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہورہی تھیں۔سردی سے وہ اکڑا جارہا تھا۔سال کے اس وقت غیر متوقع طور پر سردی شروع ہوگئی تھی اور تیورزن نے سردی کا لباس نہیں پہن رکھا تھا۔چوکیدار جمال الدین اسے دروازے پر ملا۔

''شکریہ مسٹر تیورزن'' ۔۔۔ اس نے ٹوٹی پھوٹی روسی زبان میں کہا۔''آپ نے یوسپکا کو بچالیا میں ہمیشہ آپ کے لیے دعا کروں گا۔''

''شکریہ جمال الدین!اگر کوئی اور بات رہ گئی ہوتو اسے بھی جلدی بتادو،میں سردی سے ٹھٹھر رہاہوں۔''

''میں تم سے کہنا چاہتا تھا کہ رات گھر پر نہ گذارو ۔۔۔ پولیس یہاں یہ پوچھتی ہوئی آئی تھی کہ گھر پر کون آیا تھا۔میں نے کہا کوئی نہیں۔پھر مجھے اطمینان ہوا۔میں نے کہا۔ریلوے کے لوگ آئے تھے لیکن کوئی اجنبی نہیں آیا۔''

تیورزن کی شادی نہیں ہوئی تھی۔وہ اپنی ماں اور چھوٹے بھائی کے ساتھ رہتا تھا جس کی شادی ہو چکی تھی۔عمارت ہولی ٹرنٹی کے قریبی چرچ کی تھی۔اس میں کچھ پادری،خوانچہ والوں کی دو انجمنیں،ایک قصائیوں کی انجمن اور دوسری سبزی فروشوں کی انجمن تھی۔۔۔لیکن ان میں زیادہ تر ماسکو بریسٹ ریلوے کے ملازم تھے۔یہ مکان پتھر کا تھا۔صحن کے چاروں طرف لکڑی کے تختے بچھا کر راستہ بنایا گیا تھا اور اس میں سے ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔

تیورزن کا بھائی جبری طور پر فوج میں بھرتی کر کے لڑائی پر بھیج دیا گیا تھا۔وہ وفا نکاؤ میں زخمی ہوگیا تھا اور اب کراسنویارسک کے اسپتال میں زیر علاج تھا۔اس کی بیوی اور دو لڑکیاں اسے دیکھنے اور گھر لانے وہاں گئی ہوئی تھیں۔تیورزن کے خاندان کے لوگ شروع ہی سے ریلوے میں ملازم تھے اس لئے وہ پورے روس میں سرکاری پاس پر سفر کرتے تھے۔فلیٹ پرسکون تھا اور اس وقت وہاں صرف تیورزن اور اس کی ماں تھی۔

''ماں تم نے خوب آگ جلا رکھی ہے اندر کتنا گرم اور اچھا ہے۔''

ماں نے گردن اٹھا کر بیٹے کو دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ابھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔۔۔''ماسکو سے وارسا تک ریلوے لائن پر ہڑتال شروع ہوگئی ہے۔''

''میں جانتی ہوں اسی لئے میں رو رہی ہوں۔وہ اب تیرے پیچھے ہوں گے۔تجھے پکڑنا چاہیں گے۔''

''انتی پوف کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔پولیس رات کو اس کے گھر آئی اس کے فلیٹ کی تلاشی لی تمام چیزیں الٹ پلٹ کر رکھ دیں اور آج صبح اسے گرفتار کر کے لے گئی۔اس کی بیوی دار یا میعادی بخار میں مبتلا اسپتال میں پڑی ہوئی ہے اور ان کا بچہ پاشا جو اسکول میں ہے اپنی گونگی خالہ کے ساتھ گھر میں اکیلا رہ گیا ہے ان سے فلیٹ خالی کرایا جارہا ہے۔میرا خیال ہے کہ ہم بچے کو اپنے پاس رکھ لیں۔''

☆☆☆

پاشا انتی پوف جس کے باپ کو ہڑتال کے ایک منتظم کی حیثیت سے گرفتار کرلیا گیا تھا،تیورزن خاندان کے ساتھ رہنے کے لئے چلا گیا۔وہ ایک صاف ستھرا لڑکا تھا جس کے نقش و نگار سادہ تھے،اس کے بال سرخ تھے اور وہ عین درمیان سے مانگ نکالتا۔بالوں کو ہمیشہ کنگھے سے ٹھیک کرتا اور اپنے لباس کی شکنیں یا پٹی پر اسکول کا بیج ٹھیک کرتا رہتا۔اس میں مزاح سے لطف اندوز ہونے اور چیزوں کو دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت موجود تھی۔ 17اکتوبر کے منشور کے فوراً بعد ہی مختلف انقلابی جماعتوں نے ایک بڑے مظاہرہ کا اعلان کیا۔اس کا راستہ تائیور گیٹ سے شہر کی دوسری طرف کالوگا گیٹ تک تھا۔

اگرچہ تیورزن نے اسے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن اس کے باوجود اس کی ماں مظاہرین میں جا کر شامل ہوگئی اور خوش مذاق ملنسار پاشا بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔

نومبر کا یہ ایک خشک دن تھا۔آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور برف کے گالے ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ فضا میں چکر کھاتے ہوئے نیچے پختہ فرش پر گر کر جم جاتے تھے۔سڑک پر لوگ جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ہر طرف ایک زبردست ہجوم تھا۔ مرد اور عورتیں،طالب علم،بوڑھے،بچے،ریلوے کے ملازمین، ٹیلیفون ایکسچینج میں کام کرنے والے مزدور،لڑکیاں اور اسکولوں کے لڑکے غرضیکہ ہر طبقہ اور درجہ کے لوگ وہاں موجود تھے۔ لیڈروں کو اپنے ہمدردوں کی جانب سے یہ پیغام ملا تھا کہ آگے سڑک پر قازق سپاہی جلوس پر حملہ کے لئے تیار کھڑے ہیں۔یہ اطلاع ٹیلیفون پر نزدیک کے ایک دواخانہ میں دی گئی تھی۔''تو اس

سے کیا ہوتا ہے؟'' منتظمین نے کہا۔ ''ہمیں چاہیے کہ ہم پرسکون رہیں۔'' وہ لوگ بحث کرتے ہوئے ایک اسکول کی عمارت کے نکڑ پر پہنچ گئے جو دوسری متذکرہ عمارتوں کی طرح بالکل محفوظ تھی۔

''بڑے ہال میں، بڑے ہال میں۔'' پیچھے سے کچھ لوگوں نے چلا کر کہا۔ مجمع برابر آگے بڑھتا رہا اور برآمدوں اور کلاسوں میں پھیل گیا۔ آخر کار جب لیڈر انہیں اکٹھا کر کے بڑے ہال میں لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے کئی مرتبہ انہیں چھاپہ کے بارے میں خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن کسی نے ان کی ایک نہیں سنی۔

جس وقت جلسہ ہو رہا تھا باہر برف گرنی شروع ہو گئی تھی، سڑک سفید ہو رہی تھی اور برفباری برابر شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ جب گھوڑ سوار فوجیوں نے حملہ کیا تو جلوس کے عقب میں چلنے والوں کو پہلے اس کا کوئی علم نہیں ہو سکا۔ ان کے کانوں میں ایک ابھرتی ہوئی آواز آئی جیسے کوئی بہت بڑا مجمع ''ہرا'' کا نعرہ لگا رہا ہو اور ''مدد!'' اور ''قتل!'' کی منفرد آوازیں شور و پکار میں گم ہو کر رہ گئیں۔ نصف پلٹن گھوڑوں کو بھگاتی ہوئی گذری، آگے جا کر مڑی، اور نئے سرے سے منظم ہو کر جلوس کے عقبی حصہ پر حملہ کر دیا۔ قتل و غارت گری شروع ہو گئی۔

چند منٹ بعد سڑک تقریباً سنسان پڑی تھی۔ لوگ آس پاس کی سڑکوں پر منتشر ہو رہے تھے۔ برفباری اب ہلکی پڑ گئی تھی۔ مکانوں کے پیچھے غروب ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں اس طرح پڑنے لگیں جیسے وہ سڑک پر پڑی ہوئی ہر سرخ چیز کی طرف انگلی سے اشارہ کر رہا ہو۔۔۔ گھوڑ سوار فوجیوں کی ٹوپیاں جو اوپر سے سرخ تھیں، ایک سرخ جھنڈا جو سڑک پر پڑا ہوا تھا اور برف پر خون کے سرخ چھینٹے۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کے بالکل قریب مارفا جس کی شال اس کے سر کے پیچھے جا پڑی تھی ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ''پاشا!'' چلاتی جا رہی تھی۔

پاشا برابر اس کے ساتھ تھا اور جلسہ کے آخری مقرر کی نقلیں اتار کے اسے محظوظ کرتا رہا تھا لیکن گھوڑ سوار دستوں کے حملہ کے بعد جو ہنگامہ ہوا اس میں غائب ہو گیا۔ ایک سوار نے مارفا کی پیٹھ پر بھی چابک مارا۔ آخر کار خوش قسمتی سے اس نے سڑک کے اس پار لڑکے کو دیکھ لیا۔ وہ ایک پنساری کی دکان اور پتھر کے بنے ہوئے ایک مکان کے درمیان کھڑا ہوا تھا جہاں ایک سوار اتفاقیہ آنے جانے والوں کو روکے ہوئے تھا۔

مجمع منتشر ہو چکا تھا۔ پاشا بہت دہشت زدہ تھا اور خوف کی وجہ سے اس کی زبان گنگ تھی، وہ مارفا کی طرف بھاگا۔ گھر پہنچ کر وہ اپنے بیٹے پر برس پڑی: ''۔۔۔کیا میری اب یہ عمر ہے کہ ایک احمق گھوڑ سوار میری پیٹھ پر چابک مارے؟''

☆☆☆

نکولائی نکولائیوچ نے اپنے دریچہ سے مظاہرین کو دیکھا جو بھاگ گئے تھے۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ کہیں یورا تو ان میں نہیں ہے لیکن بھاگتے ہوئے مظاہرین میں اسے اپنا کوئی دوست نظر نہیں آیا، البتہ اتنا یاد پڑتا ہے کہ دردوف کے خاندان کے ایک لڑکے پر اس کی نظر پڑی تھی لیکن اس کا نام اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ نکولائی نکولائیوچ اسی موسم خزاں میں پیٹرز برگ سے آیا تھا۔ ماسکو میں اس کے پاس کوئی مکان نہیں تھا اور ہوٹل میں رہنا بھی اسے پسند نہ تھا، اس لئے وہ اپنے ایک دور کے رشتہ دار سوین ٹیٹسکی کے ہاں قیام پذیر تھا۔ انہوں نے اسے دوسری منزل پر کنارے کا ایک کمرہ دے رکھا تھا۔

چار کھڑکیوں کے باوجود مطالعہ کے کمرہ میں اندھیرا اندھیرا سا رہتا تھا۔ کمرہ کتابوں کاغذوں قالینوں اور تصویروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے آگے نصف دائرہ کی شکل کا ایک چھجہ نکلا ہوا تھا۔ بالکونی کا دروازہ سردی کی وجہ سے بند کر دیا گیا تھا۔ بالکونی کے دروازے اور دو کھڑکیوں سے دور کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ ریلوے لائن دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مکانوں کی بے ترتیب قطاریں تھیں اور تار لگے ہوئے تھے۔ درخت برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ان کی شاخیں ایسی ہو رہی تھیں جیسے سفید، موم بتیاں۔

نکولائی نکولائیوچ کھڑا دور نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ وہ پیٹرز برگ میں گذاری ہوئی پچھلی سردیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کھڑکی سے مڑا۔ اس کا دل چاہا کہ باہر نکلے، لیکن اسے یاد آیا کہ ٹالسٹائی کا معتقد دیوولوشنوف کسی کام سے اس کے پاس آنے والا ہے۔ وہ کمرے میں ٹہلتا رہا، اسے اپنے بھانجے کا خیال آ گیا۔

جب نکولائی والگا پر اپنی آرام گاہ سے لوٹا تھا تو اس نے یورا کو ماسکو میں چھوڑ دیا تھا جہاں اس کے کئی رشتہ دار تھے۔ یورا کو پہلے آسترو مائی سنیسکی کے ہاں ٹھہرایا گیا تھا جو ضرورت سے زیادہ باتیں کرتا تھا اور پوری برادری میں فیدکا کے نام سے مشہور تھا۔ فیدکا گناہ آلود زندگی بسر کر رہا تھا اور خود کو بنے بنائے نظام کو درہم برہم کرنے والا اور ترقی پسند خیالات کا علمبردار سمجھتا تھا۔ اسے یورا کی تعلیم و تربیت کے لیے جو رقم دی گئی تھی وہ اسے بھی کھا گیا جس کی وجہ سے یورا کو گرومیکو کے ہاں منتقل کر دیا گیا۔ یہ بڑا علم دوست

خاندان تھا اور ابھی تک وہیں قیام پذیر تھا۔ ''گرومیکو کے گھر کا ماحول یورا کے لئے بڑا موزوں ہے۔'' نکولائی نے سوچا۔ ''ان کی بیٹی تونیا یورا کی ہم عمر ہی ہے۔ اور میشا گورڈن بھی اس کے ہاں رہتا ہے جو یورا کا دوست اور ہم جماعت ہے۔''

☆☆☆

ٹالسٹائی فیشن کی قمیص، چمڑے کی چوڑی پیٹی، فلیٹ کے جوتے اور ڈھیلی ڈھالی پتلون پہنے جو گھٹنوں پر باہر نکلی ہوئی تھی ایک موٹا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ دیکھنے میں آدمی اچھا تھا مگر کھویا کھویا سا۔ اس نے بغیر کمانی کی عینک لگا رکھی تھی جس کا فیتہ اس کی ناک کے قریب لہرا رہا تھا۔ بڑے کمرہ میں اس نے اوور کوٹ اتار دیا، البتہ ابھی گلوبند نہیں اتارا تھا جو فرش پر لڑھکتا ہوا اس کے ساتھ آ رہا تھا۔ اس کی گول ٹوپی بھی ابھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ ان رکاوٹوں کے باعث وہ نکولائی سے نہ مصافحہ کر سکا اور نہ مزاج پرسی۔ نکولائی نے کہا۔ ''یہ چیزیں جہاں جی میں آئے رکھ دیجئے۔'' یہ سنتے ہی ویودلوشنوف میں پھر قوت گویائی آ گئی اور وہ سنبھل گیا۔

وہ ٹالسٹائی کے ایسے پیروکاروں میں سے تھا جن کے دل و دماغ میں اس غیر معمولی ذہانت کے انسان کے تصورات ہمیشہ کے لئے جاگزیں ہو گئے تھے لیکن دراصل ان تصورات میں کوئی جان نہیں رہی تھی جواب بالکل کھوکھلے دکھائی دینے لگے تھے۔ وہ نکولائی نکولائیوچ کو ایک جلسے میں تقریر کی دعوت دینے آیا تھا جو کسی اسکول میں ان لوگوں کی امداد میں ہو رہا تھا جنہیں سیاسی بنا پر جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

''میں پہلے ہی اسکول میں تقریر کر چکا ہوں۔''

''ہاں لیکن اب آپ کو دوبارہ اس سلسلے میں تقریر کرنی پڑے گی۔''

نکولائی نکولائیوچ نے تھوڑی دیر تک ہاں۔ نا۔ کی اور آخر کار مان گیا۔

وہ روانگی سے قبل کوئی دلچسپ اور اچھی سی بات کرنا چاہتا تھا۔ اب جو بات چیت ہوئی وہ کشیدہ اور کچھ پریشان کن سی تھی۔ گفتگو خواہ مخواہ طول پکڑتی گئی۔ اس کے باوجود کہ نکولائی نکولائیوچ کو معلوم تھا کہ یہ بحث بالکل بیکار ہے، اس نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اثبات نگار مصنفین اسے کیوں پسند ہیں۔ پھر ٹالسٹائی کے اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کہا:

''ایک حد تک تو میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن ٹالسٹائی کہتا ہے کہ آدمی جس قدر خود کو وقف حسن کرتا ہے اتنا ہی وہ اچھائی سے دور ہٹ جاتا ہے۔۔۔''

''اور تمہارا خیال ہے کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حسن دنیا کو بچالے گا۔''

''ٹھہرو۔ میں بتاتا ہوں کہ میں کیا سوچتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ انسان کے اندر جو درندہ سویا ہوا ہے اسے اگر دھمکیوں سے مرعوب کیا جا سکتا ہے۔۔۔ کسی بھی قسم کی دھمکی۔۔۔ جیل کی یا موت کے بعد سزا و جزا کی۔۔۔ تو انسانیت کا سب سے بڑا نشان سرکس میں اپنے ہنٹر سے شیر کو سدھانے والے رنگ ماسٹر کا ہوتا۔ اس پیغمبر کا نہیں جس نے خود کو قربان کر دیا۔ لیکن تم نہیں سمجھتے۔ یہی تو اصل بات ہے۔ جس چیز نے صدیوں تک انسان کو درندوں کی سطح سے بلند رکھا ہے وہ ڈنڈا نہیں بلکہ ایک اندرونی اور باطنی موسیقی ہے۔ یہ غیر مسلح صداقت کی ناقابل تسخیر طاقت ہے جس کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس کے اسوہ حسنہ کی زبردست کشش ہے۔ عام طور پر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ انجیل مقدس میں جو چیزیں سب سے اہم ہیں وہ اخلاقی ضابطے اور احکامات ہیں لیکن میرے لئے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ یسوع مسیح جن اخلاقی حکایات یا تمثیلوں کا ذکر کرتے ہیں وہ زندگی سے لی گئی ہیں۔ وہ ہمیں سچ کا سبق، روزمرہ کی زندگی کے حقائق سمجھاتے ہوئے دیتی ہیں۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ فانی مخلوق کا جذبہ خیر سگالی کے ساتھ مل جل کر رہنا اسے غیر فانی بنا دیتا ہے اور اسی معنویت کے اعتبار سے یہ ساری زندگی ایک زبردست اشارہ قدرت ہے۔''

''میری سمجھ میں ایک لفظ بھی نہیں آیا۔ تمہیں اس پر کتاب لکھنی چاہیے۔''

ویودلوشنوف کی روانگی کے بعد نکولائی نکولائیوچ بہت برہم ہوا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اپنے بعض دلی خیالات اس بیوقوف کے سامنے اگل دیئے۔ اور اس پر ان کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کبھی ڈائری نہیں رکھی، تاہم سال میں ایک دو مرتبہ جب اسے خاص طور پر کوئی بات سوجھتی تو وہ اسے ایک موٹی کاپی میں نوٹ کر لیتا، چنانچہ اس نے نوٹ بک نکالی اور اس میں جلی الفاظ سے لکھنے لگا: ''اس بیوقوف شلینگر عورت نے سارا دن خراب کر دیا۔ وہ صبح آئی اور دوپہر کے کھانے تک رہی۔ پورے دو گھنٹے تک اس نے مجھے اوٹ پٹانگ نظم و نثر، موسیقی اور ستاروں کی الٹی سیدھی منطق اور چار عناصر کی آوازیں وغیرہ سنا کر بور کر دیا۔ میں مظلوم بنا ہوا اس کی خرافات سنتا رہا اور پھر میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ یہ بکواس بند کر دے۔

''اور اچانک میں سب کچھ سمجھ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اسی قسم کی

نظمیں اتنی مہلک اور نا قابل برداشت حد تک غلط کیوں ہوتی ہیں یہاں تک کہ ''فاؤسٹ'' میں بھی ایسا ہی ہے۔ پوری نظم مصنوعی معلوم ہوتی ہے، جس میں کوئی شخص دلچسپی نہیں لیتا۔ موجودہ دور کے انسان کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، جب وہ کائنات کے رازوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے تو پھر وہ طبیعات کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مگر ہلیسیو دکی شاعری میں دلچسپی نہیں لیتا۔

''صرف یہ نہیں ہے کہ اس صنف میں تاریخ کی غلطیاں ہوتی ہیں یا تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے یا ان کی روحانیت ان عقدوں کو الجھا کر رکھ دیتی ہے جنہیں سائنس نے حل کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کا فن روح مادے اور موجودہ دور کے فن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ تخلیق کے یہ نظریات قدیمی دور میں قدرتی تھے جبکہ دنیا کی آبادی اس قدر کم تھی کہ انسان اس وقت تک فطرت کے رازوں کو نہیں پاسکا تھا۔ دیوقامت مخلوق اس وقت بھی دنیا میں موجود تھی اور اژدھوں اور بڑے بڑے خوفناک سانپوں کی یاد لوگوں کے ذہن میں اس وقت تک تازہ تھی۔ قدرت نے اس قدر صاف طریقہ پر تمہارے منہ پر طمانچہ مارا اور تمہاری اتنی سخت پکڑ کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس وقت تک دیوتاؤں کا وجود باقی تھا۔ یہ تاریخ انسانی کے شروع کے صفحات تھے اور محض ابتدا تھی۔

''قدیم دنیا اپنی آبادی کو بڑھا لینے کی وجہ سے روم کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

''روم مانگے ہوئے دیوتاؤں اور مفتوح لوگوں کی منڈی تھا، زمین و آسمان جس کی دو منزلیں تھیں جہاں سودے طے ہوا کرتے تھے، غلاظت کا ایک ڈھیر جیسا کہ انتڑیوں میں جمع ہو جایا کرتا ہے، وہاں مختلف قوموں کے لوگ تھے، بغیر دھرے کے بھاری پہیے تھے، آنکھوں پر چربی چڑھی ہوئی تھی، لوگ ہم جنسی کے عادی تھے، جاہل شہنشاہ ہوا کرتے تھے اور مچھلیوں کو پڑھے لکھے غلاموں کا گوشت کھلا کر پالا جاتا تھا۔ اس وقت دنیا کی آبادی اتنی زیادہ تھی جتنی اس کے بعد آج تک کبھی نہیں ہوئی، یہ سب لوگ روم کی وسیع تفریح گاہوں میں بھرے پڑے سڑ رہے تھے۔ اور پھر سونے اور سنگ مرمر کی اس دنیا میں یسوع مسیح آئے جو مجسم روشنی اور چمک تھے اور ایک انسان کامل تھے۔۔۔ اور جلیلی کے رہنے والے تھے۔ ان کے آتے ہی دیوتاؤں اور قوموں کا وجود ختم ہوگیا اور انسان وجود میں آیا۔۔۔ انسان جو بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ انسان جو ہل چلاتا تھا، انسان جو بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ انسان جو قطعی مغرور نہیں تھا، انسان جس کے گن ماؤں کی لوریوں میں گائے گئے اور ساری دنیا میں جس کی تصویریں آویزاں کی گئیں۔''

☆☆☆

موسم غیر معمولی قسم کا تھا۔ پانی کے قطرے دھات سے بنی ہوئی نالیوں اور کارنسوں پر ٹپ ٹپ کی آواز کے ساتھ گر رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہار کا موسم ہو۔ برف پگھل رہی تھی۔

لارا نے سارا راستہ گھبراہٹ کے عالم میں طے کیا اور یہ اس نے گھر پہنچ کر ہی محسوس کیا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ ہر شخص سویا ہوا تھا۔ اس پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور اس بے خودی کے عالم میں وہ اپنی ماں کی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت بھی اپنا بیل ٹکا ہوا ارغوانی لباس پہنے ہوئے تھی جو تقریباً سفید معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک لمبی نقاب بھی ڈال رکھی تھی جو اس نے ورکشاپ سے شام کو پہننے کے لئے عاریتاً لی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی جس میں اس کا عکس پڑ رہا تھا لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے بازو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اپنا سر ان پر ٹکا دیا۔

اگر ماں کو اس کا علم ہو گیا تو وہ اسے مار ڈالے گی اور پھر اپنی جان دے دے گی، یہ کس طرح ہو گیا۔ اب وہ کیا تھی؟ ایک آوارہ عورت۔ وہ ایک ایسی عورت تھی جیسی فرانسیسی ناول میں ہوتی ہے اور کل وہ اسکول جائے گی اور ان دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھے گی جو اس کے مقابلہ میں چھوٹی بچیوں کی طرح تھیں۔ او خدا، او خدا! یہ کس طرح ہو گیا؟

کھڑکی کے باہر پانی کے قطرے ٹپ ٹپ کی آواز کے ساتھ گر رہے تھے اور برف پگھل رہی تھی سڑک پر کوئی شخص کسی پڑوسی کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ لارا نے اپنا سر نہیں اٹھایا۔ اس کے شانے ہل رہے تھے، وہ رو رہی تھی۔

☆☆☆

وہ درازیں کھولتا اور بند کرتا رہا۔ چیزیں الٹ پلٹ کرتا رہا۔ کف اور کالر چاروں طرف قالین اور صوفے پر پھینکتا رہا حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا چیز تلاش کر رہا تھا۔

اسے اس چیز کی بہت سخت ضرورت تھی اور اس اتوار کو لارا سے ملاقات کرنے کی کوئی صورت نہیں تھی، وہ ایک ایسے جانور کی طرح جسے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو، بوکھلایا ہوا کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگاتا رہا۔ اس کے غیر مرئی حسن اور خوبصورتی کی تو کوئی نظیر نہیں تھی۔ ہوٹل کے کمرے کی دیوار پر اس کا سایہ اس کی معصومیت کے خاکہ کی مانند تھا۔ اس کی چولی اس کے سینہ پر اتنی مضبوطی کے ساتھ تنی ہوئی تھی جیسے کاڑھنے کے فریم پر کپڑا تانا جاتا

ہے۔

''اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟'' کومار دوسکی نے سوچا۔

'' مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' کیا یہ اس کے ضمیر کی آواز تھی، رحم کا احساس تھا یا ندامت تھی؟ یا وہ اس کی وجہ سے پریشان تھا؟ نہیں، وہ جانتا تھا کہ وہ گھر پر بخیریت تھی، پھر آخر وہ اس کا خیال اپنے دل سے کیوں نہیں نکال سکتا تھا؟

کومار دوسکی نے بلوط کا جنگلہ اتنی سختی کے ساتھ پکڑ لیا کہ اس کا ہاتھ دکھنے لگا، اس نے ایک لمحہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں اس کے بعد مصمم ارادے کے ساتھ واپس مڑ کر نیچے اتر گیا۔ نیچے اس کا کتا اس کا انتظار کر رہا تھا، اس نے سر اٹھا کر اپنے مالک کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

کتے کو لڑکی سے نفرت تھی۔ اس نے اس کی جرابیں پھاڑ دی تھیں، اس پر بھونکا تھا اور دانت دکھائے تھے، وہ اس سے جلتا تھا جیسے اسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس کے مالک میں انسانیت کے جراثیم بھر دے گی۔ دن اور ہفتے گذرتے رہے۔

☆☆☆

یہ کیسی ناقابل مفر کشش تھی! اگر کومار دوسکی کے اس کی زندگی میں داخل ہونے سے اسے تنفر پیدا ہو گیا تھا تو لارا بغاوت کر کے اس سے پیچھا چھڑا سکتی تھی، لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔

لڑکی کو اس بات پر فخر تھا کہ ایک خوبصورت آدمی جس کے بال سفید ہو چلے تھے، ایک آدمی جو اس کے باپ کی عمر کا تھا، ایک آدمی جس کی تقریر پر جلسوں میں تالیاں بجتی تھیں اپنا وقت اور دولت اس پر صرف کرے، اسے اپنے ساتھ کنسرٹ اور ڈراموں میں لے جائے اور اس سے کہے کہ وہ اس کی پوجا کرتا ہے اور بقول لوگوں کے: ''اس کے ذہن کو تربیت دے رہا ہے۔''

جو کچھ بھی ہوا، وہ ابھی تک ایک لڑکی ہی تھی، بند بگھی میں کوچوان کی پیٹھ پیچھے یا آپیرا بکس میں تماش بینوں کی نظروں کے سامنے کومار دوسکی کے اظہار محبت نے جو وہ انتہائی جرات کے ساتھ کیا کرتا تھا اس کا دل موہ لیا تھا اور اس کے اندر خوابیدہ شیطان کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا تھا تا کہ وہ بھی اس کا جواب دے۔ لیکن یہ شرارت آمیز بات، لڑکیوں جیسی فریفتگی زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکی۔ اس پر بیزاری اور خوف کا جذبہ مستقل طور پر غالب آتا جا رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ روتی تھی، اسے مستقل دردسر کی شکایت رہتی تھی۔

وہ اس کی زندگی کے لئے ایک لعنت تھا، وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ روزانہ وہ بار بار یہی سوچا کرتی تھی۔ وہ عمر بھر کے لئے اس کی لونڈی بن گئی ہے، اس نے اسے کس طرح اپنا مطیع بنا لیا؟ وہ اس کی خواہشات کیوں پوری کرتی ہے اور انتہائی بے شرمی کے ساتھ اس کی تفریح کا سامان کیوں مہیا کرتی ہے؟ کیا اس کی عمر کی وجہ سے؟ کیا اس لئے کہ اس کی ماں مالی اعتبار سے اس کی محتاج ہے؟ نہیں۔ نہیں۔ نہیں! یہ سب بکواس ہے۔

یہ خود لارا ہے جس نے اس پر قابو پا رکھا ہے۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتی کہ لارا سے اس کی کس قدر ضرورت ہے؟ اس کے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کا ضمیر مطمئن ہے۔ یہ تو وہی ہے جس کو شرم آنی چاہیے اور اس خیال سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں لارا اسے چھوڑ نہ دے لیکن وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی جیسا کہ کومار دوسکی اپنے ماتحتوں اور کمزور انسانوں سے برتاؤ کرتا ہے۔ اور کمزور اور کمینے لوگ طاقتوروں پر تسلط پا لیتے ہیں۔ اگر وہ شادی شدہ ہوتی تو کیا ہوتا؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ اس سے کیا فرق پڑ جائے گا۔ وہ غلط دلیلیں دینے کی عادی ہو گئی تھی، لیکن بعض وقت ایک مایوس کن دماغی کرب اس پر غالب آ جاتا تھا۔۔۔ اور وہ اسے برابر باہر لے جاتا رہا، اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوتی تھی۔ وہ اسے اس وحشت ناک ریستوران کے پرائیویٹ کمروں میں رات کا کھانا کھلانے کے لیے لے جاتا تھا جہاں داخل ہونے پر خدمتگاروں اور دوسرے لوگوں کی نگاہیں پڑتے ہی وہ اپنے آپ کو ننگا محسوس کرنے لگتی تھی۔ اور وہ ہمیشہ سوچا کرتی تھی: ''کیا ہم ہمیشہ انہی لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں جن سے ہمیں محبت ہوتی ہے؟''

یہ پریسنیا کی بغاوت کا زمانہ تھا۔ گیشار خاندان کا فلیٹ باغیوں کے علاقہ میں تھا۔ ان کے گھر سے چند گز کے فاصلہ پر تیور اسٹریٹ پر قلعہ بندی کے طور پر ایک دیوار بنائی جا رہی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے پانی لا لا کر ڈال رہے تھے تا کہ دیوار زیادہ سے زیادہ پختہ اور مضبوط ہو جائے۔ قریب کا ایک احاطہ مزدوروں کی ملیشیا کی اجتماع گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔ اس مرکز میں جو لڑکے گئے تھے لارا ان میں سے دو کو جانتی تھی۔ ان میں سے ایک نِکا دوروف تھا۔

دوسرا لڑکا پاشا انتی پوف تھا جو ورزش گاہ کا طالب علم تھا اور اولیا وینا کی دادی تیور زینہ کے ساتھ رہتا تھا۔ تیور زینہ کے یہاں لارا جب پہلی بار اس سے ملی تھی تو اس نے محسوس کیا تھا کہ پاشا اس سے متاثر ہوا ہے۔ وہ لارا کو دیکھ کر اپنی مسرت پر قابو نہیں پا سکا اور لارا کے حسن و جمال کے بارے میں اپنے تاثرات بالکل اس بے تکلفی کے ساتھ ظاہر کرتا رہا جیسے موسم گرما کے دلکش مناظر، بادل اور جھیلیں اس کا موضوع سخن ہیں۔ لارا کو جب احساس ہوا کہ پاشا

اس سے اس حد تک متاثر ہے تو اس نے غیر شعوری طور پر اپنے اثر کو استعمال کرنا شروع کیا، لیکن پاشا کے بارے میں سنجیدہ رویہ اختیار کرنے میں لارا کو کئی سال لگ گئے۔ اس وقت تک پاشا پوری شدت سے یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ وہ لارا کی محبت میں مبتلا ہے اور یہ محبت تا زندگی رہے گی۔

دونوں لڑکے بڑا خوفناک کھیل کھیل رہے تھے۔۔۔ یعنی جنگ۔۔۔ اور جنگ بھی ایسی کہ اس کی سزا جلاوطنی اور پھانسی سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔ تاہم جس طرح ان کی اونی ٹوپیاں ان کی پشت سے بندھی ہوئی تھیں اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابھی بچے ہیں، ان کے ماں باپ زندہ ہیں اور ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ لارا ان کے بارے میں اس طرح سوچ رہی تھی جیسے کوئی بڑا بچوں کے بارے میں سوچتا ہے۔

☆☆☆

انہیں پتہ چلا کہ عارضی قلعہ بندیوں پر کسی وقت بھی گولہ باری ہو سکتی ہے اور یہ کہ ان کا مکان خطرے میں ہوگا۔ اب یہ سوچنے کا وقت گذر چکا تھا کہ وہ ماسکو کے کسی دوسرے حصہ میں دوستوں کے ساتھ جا کر رہیں۔ علاقے کا محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ اسی محاصرے کے اندر انہیں پڑوس میں کہیں پناہ ڈھونڈنی تھی۔ ان کے ذہن میں ہوٹل مونٹی نیگرو کا خیال آیا۔ پرانے تعلقات کا خیال کرتے ہوئے ہوٹل کے مالک نے انہیں کپڑوں کے اسٹور میں ٹھہرانے کا وعدہ کر لیا۔

ورکشاپ کے ملازمین کے ساتھ چونکہ خاندان کے افراد کا سا سلوک کیا جاتا تھا اس لئے وہ ہڑتال کے باوجود کام کرتے رہے لیکن ایک سرد اور بے جان سہ پہر کو دروازے پر گھنٹی بجی۔ کوئی شخص شکایات لے کر بحث کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے مالک کو بلانے کے لئے کہا۔ چند لمحہ بعد سلائی کا کام کرنے والی عورتیں اپنے کمرے میں واپس آ گئیں اور اپنی شالیں اوڑھ کر اوپر سے گرم لبادے پہننے لگیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' مادام گیشار نے تیزی سے اندر آ کر پوچھا۔

''وہ لوگ ہمیں باہر بلا رہے ہیں، مادام، ہم نے ہڑتال کر دی ہے۔''

''لیکن۔۔۔ کیا میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟'' مادام گیشار رونے لگی۔

''پریشان مت ہو، امیلا کارلوونا۔ ہمیں تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہم تمہاری بہت شکرگذار ہیں۔ یہ صرف تمہارا اور ہمارا معاملہ نہیں ہے۔ ہر ایک بلکہ ساری دنیا ایسا ہی کر رہی ہے۔ تم ہر شخص کی مخالفت تو نہیں کر سکتیں۔ یا کر سکتی ہو؟'' وہ سب کی سب چلی گئیں۔

رودیا اسکول میں تھا۔ لارا اور اس کی ماں بے مقصد طور پر اکیلے گھر میں ادھر ادھر چکر لگاتی رہیں۔ تاریک سڑک اور مکان کے کمرے ایک دوسرے کو حیرت سے تک رہے تھے۔

''چلو ماں، ہم دونوں اندھیرا ہونے سے پہلے ہوٹل چلی چلیں۔'' لارا نے اس کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔ ''آؤ نا، ماں۔ دیر مت کرو۔ ہمیں ابھی چل دینا چاہیے۔''

جب وہ لوگ باہر نکلے تو انہیں تازہ ہوا، اس قدر غیر مانوس معلوم ہوئی جیسے ہفتوں کی علالت کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ باہر برف سے ڈھکے ہوئے صاف شفاف میدان سے ملی جلی آوازوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ دور فاصلہ پر رائفلیں اور بندوقیں چلنے کی آواز آ رہی تھی جیسے ہر چیز چیتھڑے چیتھڑے ہوئی جا رہی ہو۔

''شاندار!'' لارا نے چلتے ہوئے سوچا۔ وہ اس وقت تک کو مار دوسکی کی شکل نہیں دیکھے گی جب تک یہ علاقہ شہر کے دوسرے حصوں سے کٹا ہوا ہے۔ اپنی ماں کی وجہ سے وہ اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتی تھی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی: ''ماں، مہربانی کر کے اس سے ملنا بند کر دو۔'' اگر اس نے ایسا کیا تو ساری بات کھل جائے گی۔

☆☆☆

گرومیکو بھائیوں کا مکان، چھوٹی سڑک کے کونے پر واقع تھا۔ الگزینڈر اور نکولائی علم کیمیا کے پروفیسر تھے۔ نکولائی غیر شادی شدہ تھا۔ الگزینڈر کی بیوی کا نام اینا ایوانوونا تھا جو شادی سے پہلے کروگر تھی۔ اس کا باپ لوہے کی کانوں کا مالک تھا۔ یورال میں یوریاتن کے قریب اس کی بہت بڑی جاگیر تھی جس میں کئی بے منفعت کانیں تھیں جو بیکار پڑی تھیں۔ ان دونوں بھائیوں کا مکان دو منزلہ تھا۔ اوپر کی منزل پر خواب گاہیں، اسکول کا کمرہ، مطالعہ کا کمرہ اور کتب خانہ، اینا ایوانوونا کی پرائیویٹ نشست گاہ اور تونیا اور یورا کے کمرے تھے۔ نچلی منزل استقبالیہ دعوتوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ یہ دونوں بھائی مہذب، مہمان نواز، آرٹ کے دلدادہ اور موسیقی کے عاشق تھے۔ وہ اکثر دعوتیں کرتے رہتے تھے اور اکثر شامیں موسیقی کی محفلوں میں گذرتی تھیں۔

موسیقی کی ایسی ہی ایک محفل جنوری 1906ء میں ہونے والی تھی۔ تیاریاں ایک روز قبل شروع ہو چکی تھیں۔ اینا کی خاص اور راز دار سہیلی شورا شلیزنگر صبح سویرے ہی وہاں پہنچ گئی تھی اور وبال جان بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ایک طویل قد، دبلی پتلی، سیدھے سادھے

نقش و نگار کی عورت تھی۔ اس کا چہرہ کسی قدر مردوں جیسا تھا جسے دیکھ کر شہنشاہ کا چہرہ یاد آ جاتا تھا، شورا شلینگر کئی مرتبہ شادی کر چکی تھی لیکن وہ اپنے شوہروں کو طلاق دیتے ہی بھول جایا کرتی تھی اور کئی شادیوں کے باوجود اس کے اندر ایک طرح کی غیر شادی شدہ عورتوں کی سی سردمہری پائی جاتی تھی۔

وہ تھیوسوفی کے عقیدہ پر قائم تھی جس کے مطابق ہر شخص بلاواسطہ روحانی وجدان سے خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ شورا شلینگر علم الحساب جانتی تھی ماسکو کنزرویٹری کے مشہور ترین استادوں کے پتوں سے واقف تھی اور یہ جانتی تھی کہ کون کس کے ساتھ رہ رہا ہے، اور خدا جانے وہ کیا کچھ جانتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ زندگی کے تمام اہم موقعوں پر اسے ثالث یا منتظم کی حیثیت سے بلایا جاتا تھا۔ مقررہ وقت پر مہمان آنے شروع ہو گئے۔

حاضرین بہت جلد روحانی تفریح حاصل کرنے کے لئے بیٹھ گئے تا کہ جسمانی غذا کا لطف حاصل کرنے میں دیر نہ لگے۔ وہ لوگ قطاروں میں بیٹھ گئے۔ موسیقی، خشک اور اکتا دینے والی تھی اور اس میں کافی وقت لگ گیا۔ یورا، تونیا اور میشا گورڈن، جو اپنا آدھا وقت، گرومیکو کے یہاں گذارتا تھا، تیسری قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''ایگوردونا تمہیں اشارے کر رہی ہے۔'' یورا نے الگزینڈر سے کہا جو اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ الگزینڈر نے مڑ کر غصے سے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ شرماتے ہوئے وہ پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے کے دوسری طرف گیا۔

''تم ایسی حرکت کیسے کر سکتی ہو، ایگوردونا! اچھا، اب بتاؤ کہ کیا گڑبڑ ہے؟ اچھا، اب جلدی سے بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟''

ایگوردونا نے اس کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا۔

''کیا مونٹی نیگرو؟''

''ہوٹل!''

''اچھا، تو اس کا کیا معاملہ ہے؟''

''انہوں نے کہلوایا ہے کہ وہ فوراً واپس چلا جائے۔ اس کا کوئی عزیز مر رہا ہے۔''

''اچھا، تو اب لوگ مر رہے ہیں! میں سمجھا۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا، ایگوردونا۔ جب یہ کنسرٹ ختم ہو جائے گا تو میں انہیں بتا دوں گا اس وقت تک میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''انہوں نے ہوٹل کے ایک خدمتگار کو گاڑی دے کر بھیجا ہے۔ وہ انتظار کر رہے ہیں۔ کوئی شخص مر رہا ہے۔ میں تم سے کہتی ہوں کیا تم نہیں سمجھ سکتے؟ وہ ایک عورت ہے۔''

کنسرٹ ختم ہونے پر تالیوں کی آواز بند ہونے سے پہلے ہی وہ موسیقاروں کے پاس گیا اور تشکیوچ سے کہا کہ اسے گھر بلایا گیا ہے۔ کوئی حادثہ ہو گیا ہے اور اب انہیں موسیقی ختم کرنی پڑے گی۔ پھر وہ حاضرین کی طرف مڑا:

''خواتین و حضرات! مجھے افسوس ہے کہ تین سازندوں میں سے ایک کو جانا پڑ رہا ہے۔ تشکیوچ کو ابھی کوئی بری خبر ملی ہے۔ خواتین و حضرات میں خدا حافظ نہیں کہوں گا۔ میں آپ سب سے رکنے کی درخواست کرتا ہوں۔۔۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔''

برفانی رات میں گاڑی میں بیٹھ کر گھومنے کی خاطر لڑکوں نے بھی اس کے ساتھ چلنے کی اجازت مانگی۔

☆☆☆

اگرچہ دسمبر کے بعد زندگی معمول پر آ گئی تھی لیکن گولیاں چلنے کی آوازیں اب بھی سنائی دیتی تھیں اور وہ مکانات جو آگ لگنے کے معمولی حادثات سے جل گئے تھے وہ بھی انہیں مکانات کی طرح نظر آتے تھے جو بغاوت کے دوران میں تباہ ہو گئے تھے اور اب تک سلگ رہے تھے۔

لڑکے اس سے پہلے کبھی گاڑی میں بیٹھ کر اتنے طویل سفر پر نہیں گئے تھے۔ دراصل سخت برفباری اور کہرے کی وجہ سے راستہ بہت زیادہ طویل ہو گیا تھا۔ الاؤ کا بل کھاتا ہوا دھواں، قدموں کی آواز اور برفانی گاڑیوں کی آوازوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خدا جانے کتنی دیر سفر کرتے رہے ہوں اور کسی خوفناک اور دور دراز مقام پر پہنچ گئے ہوں۔

اس وقت ڈاکٹر اس بے وقوف بڑھیا گیشار کو قے کرانے والی دوا دے رہا تھا اور اس کی انتڑیوں کو دھو کر صاف کر رہا تھا۔ اس کی ملازمہ گلاشا فرش صاف کرتے کرتے اور گندی بالٹیاں باہر لے جا کر صاف بالٹیاں اندر لاتے لاتے تھک گئی تھی۔

میشا اور یورا مادام گیشار کے کمرے کے باہر غلام گردش میں ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ الگزینڈر کا جو خیال تھا معاملہ اس سے بالکل مختلف نکلا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ موسیقار کی زندگی میں ایک صاف اور پروقار قسم کا حادثہ ہو گا، لیکن یہ حادثہ تو نہایت ذلیل اور بدنام کر دینے والا تھا جس سے بچوں کا علیحدہ رہنا ہی ضروری تھا۔

مادام گیشار نے زہر پی کر نہیں، جیسا کہ برتن دھونے والی عورت کا خیال تھا، بلکہ آیوڈین پی کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ کمرے میں سبز اخروٹوں کی سی ترش اور خشک بو پھیلی ہوئی تھی۔ جالی کے پیچھے خادمہ فرش صاف کر رہی تھی اور بستر پر ایک

عورت نیم برہنہ لیٹی ہوئی تھی۔ وہ پانی، آنسوؤں اور پسینے میں تر بتر تھی۔ اس کے گیلے بال جم گئے تھے اور وہ ایک بالٹی پر جھکی ہوئی زور زور سے رو رہی تھی۔

لڑکے ایک دم واپس پلٹ گئے کیونکہ ان کے خیال میں اس عورت کی طرف نگاہ انتہائی بدتمیزی کی بات تھی۔ لیکن یورا جو کچھ دیکھ چکا تھا اس سے یہ حقیقت اس پر عیاں ہو گئی تھی کہ بعض تکلیف دہ حالات میں، دباؤ اور تکان کے لمحے میں، عورت وہ نہیں رہتی جیسا کہ اسے سنگ تراشی کے مجسموں میں دکھایا جاتا ہے بلکہ ایک ایسے پہلوان کے مانند نظر آتی ہے جس کے پٹھے پھولے ہوئے ہوں اور جو لنگوٹ باندھے ہوئے کشتی لڑنے کے لئے بالکل تیار ہو۔ آخرکار جالی کے پیچھے کسی کو پردے گرا دینے کا خیال آ گیا۔ وہ دونوں سخت گومگو کے عالم میں دروازے میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں، اس لئے وہ وہاں کھڑے ہوئے سامنے بڑے کمرے کی تاریکیوں میں گھور رہے تھے جہاں سے لیمپ ہٹا دیا گیا تھا۔ دیواروں پر تصویریں لٹک رہی تھیں۔ کتابوں کی ایک الماری میں موسیقی کی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ ایک (میز پر) اخبار اور البمیں رکھی ہوئی تھیں۔ اور کھانے کی میز کی دوسری طرف ایک لڑکی آرام کرسی پر ایک کڑھی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے سو رہی تھی۔ اس نے کرسی کا سرہانا پکڑ رکھا تھا اور اس کا ایک رخسار اس پر ٹکا ہوا تھا۔ وہ یقیناً بہت زیادہ تھک گئی ہو گی جبھی تو اتنے شور و غل اور ہنگامے کے باوجود اسے نیند آ گئی۔

اسکرین کے پیچھے سے تشکیوچ کے بجائے ایک بھاری بھرکم لحیم شحیم آدمی نکلا جس کے چہرے سے خود اعتمادی ٹپک رہی تھی۔ وہ اپنے سر کے برابر بلندی پر لیمپ اٹھائے ہوئے تھا جسے اس نے میز کے قریب پہنچ کر اس کے بریکٹ میں جما دیا۔ روشنی سے لڑکی جاگ اٹھی۔ وہ اس شخص کو دیکھ کر مسکرائی، آنکھیں جھپکائیں اور انگڑائی لی۔

اجنبی کو دیکھ کر میشا چونک پڑا اور اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ اس نے یورا کو آستین سے پکڑ کر اپنی جانب متوجہ کیا اور اس کے کان میں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن یورا نے اس کی بات نہیں سنی۔ ''لوگوں کے سامنے اس طرح سرگوشی کرنا ٹھیک نہیں۔ آخر وہ کیا سوچیں گے؟''

اسی اثنا میں لڑکی اور اس شخص کے درمیان اشاروں ہی اشاروں میں باتیں ہو گئیں۔ ان کے ہونٹوں سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا، صرف ان کی آنکھیں ہی ملیں۔ لیکن ایک نے دوسرے کو جو پیغام دیا اس میں جادو کا سا دہشت ناک اثر تھا جس نے لڑکی کو اس طرح متاثر کیا گویا وہ کٹ پتلی نچانے والا ہو اور لڑکی محض کٹ پتلی جو اس کے ہر اشارے کی پابند ہو۔

تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھیں چھوٹی پڑ گئیں اور اس کے ہونٹ عجیب طور سے کھلے لیکن اس کی تضحیک آمیز نظر کے جواب میں لڑکی نے سازشی انداز میں آنکھ ماری۔ دونوں کو خوشی ہوئی کہ معاملہ بخیر و خوبی طے ہو گیا۔۔۔ ان کا راز محفوظ رہا اور مادام گیشار نے خودکشی کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ ناکام ہو چکی تھی۔

''کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو؟ وہ کون تھا!'' میشا نے یہ اس وقت کہا جب وہ باہر گلی میں آ گئے۔ یورا نے جو اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کوئی جواب نہیں دیا۔

''یہ وہی ہے جس نے تمہارے والد کو شراب نوشی کی ترغیب دی اور آخر ان کو موت کے قریب پہنچا دیا۔ تمہیں یاد ہے۔۔۔ ٹرین میں میں نے تمہیں یہ بات بتائی تھی۔''

کرسمس پارٹی

سردیوں کے موسم کی بات ہے کہ الیگزینڈر نے اپنی بیوی اینا ایوانوونا کو زمانہ قدیم کی بنی ہوئی کپڑوں کی ایک الماری دی جو اسے کہیں سے مل گئی تھی۔ یہ آبنوس کی بنی ہوئی تھی اور اتنی بڑی تھی کہ پوری کی پوری کسی ایک بھی دروازے سے۔کان میں نہیں جا سکتی تھی، چنانچہ اسے علیحدہ علیحدہ حصوں میں مکان کے اندر پہنچایا گیا۔

مارکل نامی ایک مزدور اسے جوڑنے کے لئے آیا۔ پہلے تو کام ٹھیک سے ہوتا رہا لیکن جب صرف اوپر کے حصے پر لکڑی جڑنے کا کام باقی رہ گیا تو اس کے دل میں مارکل کی مدد کرنے کا خیال آ گیا۔ وہ الماری کے ایک تختے پر چڑھی ہی تھی کہ پاؤں پھسل گیا اور وہ دھڑام سے کنارے کے تختوں پر آ رہی۔ اس حادثہ کے بعد اینا پھیپھڑوں کی کمزوری کے عارضہ میں مبتلا ہو گئی۔ نومبر 1911ء کا پورا مہینہ اینا ایوانوونا نے نمونیہ کے عارضہ میں گزارا۔

یورا، میشا گورڈن اور تونیا آنے والے موسم بہار میں ڈگری لینے والے تھے۔ یورا ڈاکٹری کی، اینا کی بیٹی تونیا قانون کی، اور میشا جو شعبہ فلسفہ کا طالب علم تھا، لسانیات کا گریجوایٹ بننے والا تھا، یورا کے ذہن میں ابھی کوئی شے واضح نہیں تھی، لیکن اس کے نظریات، اس کی عادات اور اس کے رجحانات سب واضح طور پر اس کے اپنے تھے۔

آرٹ اور تاریخ سے گو اسے گہرا لگاؤ تھا، تاہم پیشہ کے

انتخاب میں وہ بھی نہیں جھجکا۔ اس کا خیال تھا کہ جس طرح پیدائشی زندہ دلی یا افسردگی کوئی پیشہ نہیں ہے، اسی طرح آرٹ بجائے خود بھی اب کوئی پیشہ نہیں رہا ہے۔ اسے طبیعیات اور نیچرل سائنس سے دلچسپی تھی اور اس کا ایمان تھا کہ آدمی کو اپنی عملی زندگی میں معاشرے کے لئے کوئی مفید کام ضرور کرنا چاہیے۔ اپنے چار سالہ کورس کے پہلے سال میں اس نے ایک پوری فصل چیر پھاڑ کے ایک کمرے میں کام کرتے گذاری جو یونیورسٹی کے زمین دوز حصے میں تھا۔

یورا ایک شریف الطبع انسان اور بہترین مصنف تھا۔ اسکول کے زمانہ ہی سے وہ زندگی کے موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا خواب دیکھا کرتا جس میں وہ مدفون دھماکہ خیز مادہ کی طرح ایسی تمام نمایاں اور موثر چیزیں جو اس نے زندگی میں دیکھی یا سوچی تھیں ضابطہ تحریر میں لانا چاہتا تھا، لیکن اس وقت وہ بہت کم عمر تھا اور کتاب تصنیف نہیں کر سکتا تھا لہٰذا اس کی جگہ اس نے شاعری شروع کر دی۔

یورا کو بخوبی اس امر کا علم تھا کہ اس کے کردار کو ڈھالنے میں اس کے ماموں کا کیا حصہ تھا۔ نکولائی آج کل لاسین میں قیام پذیر تھا۔ وہاں اس کی کتابیں روسی زبان میں شائع ہوئیں اور ان کے ترجمے بھی۔ ان کتابوں میں اس نے اپنے اس پرانے نظریہ کو نئے روپ میں پیش کیا کہ تاریخ بجائے خود ایک دوسری دنیا ہے جو کہ موت کے چیلنج کے جواب میں آدمی وقت اور یادداشت کی مدد سے بناتا ہے۔

میشا گورڈن پر ان نظریات کا یورا سے بھی زیادہ اثر تھا۔ ان نظریات ہی کے باعث اس نے یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ میں داخلہ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دینیات پر لیکچر بھی سنے اور بعد میں تو اس نے شعبہ دینیات میں منتقل ہو جانے پر بھی غور شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

نومبر کے آخر میں ایک رات یورا یونیورسٹی سے بہت دیر گئے گھر آیا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا، اس نے دن بھر کچھ نہیں کھایا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس دن گھر میں سخت گھبراہٹ پھیلی رہی۔ اینا ایوانوونا پر بیماری کا دورہ پڑا۔ اس نے کہا ہے کہ یورا کو واپس آتے ہی اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ یورا فوراً ہی اس کی طرف چل پڑا۔

مریضہ نے پوری کوشش کے ساتھ بولنا شروع کیا: ''وہ مجھے بستر مرگ کی رسم اصطباغ کی ادائیگی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے۔ کسی وقت بھی میری آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں گی۔ تم جب دانت نکلوانے جاتے ہو تو ذرا ڈرتے ہو۔ لیکن یہ صرف ایک دانت ہی نہیں۔ تمہاری پوری زندگی ہے جو کھینچ کر باہر نکالی جاتی ہے۔ اور یہ کیا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ میں تو بالکل عاجز آ چکی ہوں۔ مصیبت زدہ ہوں۔''

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑی بہہ رہی تھی۔ یورا کچھ نہیں بولا۔ تھوڑے وقفے کے بعد اینا نے پھر بولنا شروع کیا: ''تم ہوشیار ہو۔ اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہو۔ ذرا مجھے دلاسا دو۔''

یورا نے کہا: ''لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں کیا کہوں۔'' وہ کرسی پر بیٹھا بے چین سا ہو رہا تھا۔ کرسی سے اٹھا۔ کمرے میں چند قدم تک چلا اور پھر آ کر بیٹھ گیا۔ ''پہلی بات تو یہ ہے کہ تم کل تک ٹھیک ہو جاؤ گی۔ تم مرض کے خطرناک ترین مرحلہ سے گذر چکی ہو۔ اور پھر موت --- یہ تو شعور کی بقا اور یوم حشر پر ایمان کا دوسرا نام ہے۔

''قیامت۔ یوم حشر! کمزور انسانوں کی ہمت بندھانے کے لئے ہے۔ اس کی جس طرح تبلیغ کی جاتی ہے میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے زندوں اور مُردوں کے متعلق یسوع مسیح کے الفاظ کو ہمیشہ ایک مختلف پیرائے میں سمجھا ہے۔ ہزار ہا سال میں جینے اور مرنے والے ان اربوں کھربوں انسانوں کے لئے آپ ایک مقام پر جگہ کیسے نکال سکتے ہیں۔ یہ ساری کائنات اتنی وسیع تو نہیں جس میں یہ تمام سما جائے۔ او میرے خدا --- اگر ایسا ہوا تو قیامت کا مطلب ہی خبط ہو جائے گا۔ خدا کے نیک اور بزرگ بندے تو وہاں جانوروں کی سی زندگی گذارنے والے بدبختوں کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔''

''لیکن زندگی خواہ اس کی کوئی بھی صورت ہو، خواہ یہ کتنی مختلف شکلیں اختیار کیوں نہ کرے، ہمیشہ کائنات کو لبریز رکھتی ہے اور بار بار جنم لیتی رہتی ہے۔ تمہیں تشویش اس بات پر ہے کہ اس موت کے بعد دوسرا جنم لیا تھا، ہاں البتہ تم نے اسے محسوس نہیں کیا۔

''کیا تمہیں تکلیف ہو گی؟ بالفاظ دیگر تمہارے شعور کا کیا حشر ہو گا؟ لیکن یہ شعور ہے کیا بلا؟ آؤ اس کا جائزہ لیں۔ آپ شعوری طور پر یا ارادتاً اگر سونے کی کوشش کریں گے تو بے خوابی کا شکار ہوں گے۔ اس طرح اگر آپ کو ہر وقت اپنے ہاضمہ کا احساس ہو گا تو آپ کا ہاضمہ یقیناً خراب ہو جائے گا۔ یہ شعور ہمارے جسم و جان اور روح کے لئے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتا ہے۔ شعور ایک روشنی ہے جو باہر اور سامنے کا راستہ دکھاتی ہے تا کہ ہم ٹھوکر نہ

کھائیں۔ یہ انجن کی ہیڈ لائٹ کی طرح ہے۔ اسے ذرا اندر کی طرف اپنی طرف موڑ کر تو دیکھئے فوراً حادثہ پیش آ جائے گا۔

''پس تمہارے شعور کا کیا ہوگا؟ اچھا! تم ہو کیا؟ اپنے اندر تمہیں کس چیز کا احساس اور شعور ہے؟ گردوں کا؟ جگر کا؟ خون کی رگوں کا؟ نہیں۔ کتنے ہی پرانے زمانے تک کہ یادداشت سے کام لو۔ نتیجہ یہی ہوگا کہ تمہیں اپنے بارے میں کسی دوسری بیرونی اور واضح علامت کی بنا پر اپنی شناخت کا معیار قائم کرنا ہوگا۔ یہ تمہارے ہاتھ ہو سکتے ہیں۔ تمہارا اپنا خاندان ہو سکتا ہے۔ تمہاری روح۔ یہ ہے تمہاری حقیقت۔ یہ ہے جس پر تمہاری ساری حیات کے دوران تمہارے شعور کی زندگی کا انحصار رہا۔

''اور اب ایک آخری نقطہ رہ گیا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ موت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، موت کا ہم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

''سینٹ جان نے کہا ہے کہ موت کا کوئی وجود نہیں۔ اس کا استدلال بہت سیدھا اور صاف ہے۔ موت اس لئے نہیں آئے گی کہ ماضی بہت اچھا ہے۔ اس کو تقریباً اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ موت نہیں آئے گی کیونکہ وہ پہلے ہی آ چکی ہے۔ ختم ہو چکی ہے۔ یہ پرانی بات ہے اور ہم اس سے تنگ آ چکے ہیں، ہمیں کسی نئی چیز کی ضرورت ہے اور وہ نئی چیز ابدی اور لافانی زندگی ہے۔''

وہ تقریر کرتے ہوئے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا تھا۔ اس نے بستر کے قریب جا کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور کہا ''سو جاؤ۔'' اور چند ہی لمحات کے بعد وہ واقعی سونے لگی۔

اگلے دن ایوانوونا کی حالت بہتر ہوگئی۔

وہ اکثر یورا اور اپنی بیٹی تونیا کو بلا لیتی۔ اور ہر بار مسلسل گھنٹوں تک ان سے اپنے بچپن کی باتیں کرتی جو اس نے کوہ یورال میں دریائے ریئوا کے کنارے اپنے دادا کی واری کینو کی جاگیر پر گذارا تھا۔ یورا یا تونیا میں سے کسی نے بھی وہ جگہ نہیں دیکھی تھی تاہم اینا کی باتیں سن سن کر یورا با آسانی اس دس ہزار ایکڑ کے اس گھنے اور تاریک جنگل کا تصور کر سکتا تھا۔ یورا اور تونیا نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ باقاعدہ شام کا لباس زیب تن کرنے کا فیصلہ کیا۔

27 دسمبر کو وہ یہ ملبوسات سوین ٹیٹسکی کی کرسمس پارٹی میں پہننے والے تھے۔ ابھی انہوں نے یہ کپڑے اپنے جسم سے اتارے بھی نہیں تھے کہ ایگرر ودنا وہاں آئی اور کہا کہ وہ اینا ایوانوونا کے پاس جائیں۔ دونوں نئے کپڑوں میں ہی اس تک چلے گئے۔

''معلوم ہے میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟ لیکن یورا پہلے میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''اینا ایوانوونا! مجھے معلوم ہے۔ تمہارا دونوں کا خیال ہے کہ مجھے اس وراثت سے انکار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ذرا ٹھہرو۔

''ہاں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ وکیل تو یہی چاہتے ہیں کہ میرے والد ژواگو نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس کی تقسیم کے لئے مقدمہ بازی ضرور ہو، کیونکہ میرے والد اپنی جاگیر کی صورت میں کافی دولت چھوڑ گئے ہیں جس سے وکلا بخوبی فیس وصول کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا میرے والد نے اور کوئی ورثہ نہیں چھوڑا۔ قرضوں اور گھپلوں کے سوا اور کچھ نہیں۔''

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی جبکہ میری والدہ زندہ تھیں میرے والد کی ایک سنکی شہزادی۔۔۔ استولیونو دوا ایزیکی پر فریفتہ ہو گئے۔ اس خاتون کے بطن سے میرے والد کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام ایوگراف ہے۔ اور اس کی عمر دس سال ہے۔''

''پھر بھی تمہیں اس سے دست بردار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ''اینا ایوانوونا نے کہا۔'' کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' اس نے پھر ایک مرتبہ پوچھا اور فوراً ہی کہنے لگی۔ ''اگر میں مر جاؤں تو تم دونوں ساتھ ساتھ رہنا۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لئے پیدا ہوئے ہو، شادی کر لینا۔ لو، بس اب تمہاری منگنی ہو گئی۔'' اتنا کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

☆☆☆

1906ء کا موسم بہار تھا اور لارا کو ماردوسکی کے تعلقات کو چھ مہینے گذرے تھے لیکن اتنی ہی مدت میں وہ تنگ آ چکی تھی۔ کوماردوسکی جب مناسب سمجھتا احتیاط سے اس کی غلطی کی یاد اسے دلا دیا کرتا۔ اس طرح کی باتیں لارا کو ایک ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ اور وہ خود کو نفسانی ہوس کے ایک بھیانک خواب میں ڈوبتا ہوا پاتی تھی۔ شب میں اس پر جو پاگل پن طاری ہوتا، جس طرح وہ خود کو اس کے حوالے کر دیتی تھی وہ اس طرح ناقابل یقین تھا جیسے کہ جادو۔ اس حالت میں کوئی منطق کام نہیں کرتی تھی۔ تیز کسک نقرئی قہقہوں میں بدل جاتی تھی اور چھیڑنے والے کے ہاتھوں کو وہ شکر گذاری کے عالم میں اپنے نازک ہونٹوں سے چوما کرتی تھی۔ ایک دن وہ تاریخ کی کلاس میں بیٹھی موسم گرما کے تصور میں گم تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ گرما میں اسکول یا گھر پر پڑھائی کی مصروفیت بھی اسے کوماردوسکی سے نہ بچا سکے گی تو اس نے اچانک ایک نیا فیصلہ کیا جس نے اس کی ساری زندگی کا رخ ہی موڑ کر رکھ دیا۔ اس دن موسم ذرا گرم تھا اور طوفان آنے والا تھا۔